1239

उर्दू संग्रह

पुस्तक का नाम हिन्द अज़मत का आख़िरी नज़ारा

लेखक

प्रकाशन वर्ष

आगत संख्या 1239

1239

دیباچہ

یہ بھی عجیب انقلاب زمانہ ہے۔ کہ جس قوم کی تہذیب کبھی سب سے اعلیٰ تھی۔ جس نے تمام اقوام عالم کو شائستگی اور سبھیتا سکھلائی۔ جس کا تواریخ عالم میں سب سے بلند اور سب سے پہلا درجہ تھا۔ جس سے دنیا کا اتہاس شروع ہوا۔ جس کا دنیا کے تمام ضروری واقعات سے ہر ایک زمانہ میں کچھ نہ کچھ تعلق رہا۔ اس قوم کی تہذیب کو آج ہنسی میں اڑایا جاتا ہے۔ اس کی نسبت کہا جاتا ہے۔ کہ یہ قوم علم تواریخ سے ہی واقف نہ تھی۔ وہ آریہ ہند جنکی شاریرک۔ آتمک اور ساماجک ترقی کا آفتاب کسی وقت نصف النہار پر تھا۔ آج اس ہندو نیشن کے بزرگون کو بے علم اور وحشی کا خطاب دیا جا رہا ہے۔ رامائن اور مہابھارت کے زمانہ کو نئی روشنی اور نئی تہذیب کے حامی محض قصہ اور فسانہ سمجھتے ہیں۔ رام۔ دشٹر بھر۔ کرشن۔ بھیم اور ارجن جیسی قابل فخر ہستیان ایک فرضی قصہ کے فرضی ہیروز خیال کئے جا رہے ہیں۔ سب سے زیادہ رنج اور قلق تو اس بات کا ہے۔ کہ بعض متعصب ودیشی لوگوں کا پھیلایا ہوا یہ تباہ کن خیال ہمارے اکثر نئی تہذیب کے نیئے شیدائی بھائیوں میں بڑی طرح پھیل رہا ہے۔ اور وہ اب بڑے فخر سے اپنے بزرگوں کو فرضی بزرگ کہتے ہین۔ آریہ نیشن کا وہ مقدس خون جو کسی وقت ہماری رگوں میں متحرک تھا۔ جس نے تمام اقوام عالم کو اپنی حرکت سے زندگی بخشی۔ آج ہمارے بعض کوتاہ اندیش۔ کم فہم

گم گردہ راہ ہندو بھائیوں کے جسم میں اس کی حرکت بالکل بند ہوگئی ہے۔ انکا خون سفید ہوگیا ہے۔ وہ اپنے بزرگان سلف کی ہستی سے ہی انکار کئے بیٹھے ہیں۔ اگر معمولی توجہ سے ہی ہم ہندو تواریخ کا مطالعہ کریں۔ اور اپنے موجودہ اردگرد کے حالات کو سرسری نظر سے دیکھیں۔ تو ہندو فضیلت اور ہندو بزرگی کا نقشہ ہمارے سامنے کھچ جاتا ہے۔ قدرت نے بھارت ورش کو سب سے اعلیٰ اور دُنیا کی سب سے بہتر اور قیمتی نعمتیں عطا کی ہیں۔ یہاں کی آب و ہوا ایسی عمدہ اور صحت بخش ہے۔ کہ وہ ہر زمانہ میں بہترین دماغ اور بہترین آتمائیں پیدا کر سکتی ہے۔ تواریخ ہمیں بتلاتی ہے کہ ہندوؤں کو جب کبھی ذرا بھی موقعہ ملا۔ انہوں نے فوراً اپنی دماغی عظمت اور فضیلت کا ثبوت دیا۔ مگر اب دوسروں سے تو کیا شکوہ۔ اپنے ہی اپنی بزرگی سے انکار کئے بیٹھے ہیں۔ ہماری موجودہ اوستھا اس قدر خراب ہو چکی ہے۔ کہ ہمیں اپنی قدیم بزرگی کے اظہار کا حوصلہ ہی نہیں پڑتا۔ ہم دُنیا کی سب سے زیادہ مفلس اور سب سے زیادہ کمزور ہستی سمجھے جاتے ہیں۔ تو بھی ایسی حالات میں بھی جب کبھی کسی ہندو نوجوان کو ذرا موقعہ ملا۔ اس نے اہل عالم کو دکھلا دیا۔ کہ اس کی رگوں میں اس آریہ نیشن کا مقدس خون رواں ہے جو کبھی

دُنیا کی سرتاج رہی ہے

اور جسکو تمام دنیا کی تہذیب و ترقی کا سرچشمہ ہونے کا بجا طور پر فخر ہے۔

ہم اس کتاب میں دکھلانے کی کوشش کریں گے۔ کہ قدیم آریہ ہندوں کی بزرگی اور فضیلت سے کوئی صحیح دماغ انکار نہیں کر سکتا۔ ہمیں ڈر ہے کہ ہمارے کئی یوگیہ بھائی موجودہ حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے تصویر کا دوسرا رُخ سامنے رکھکر ہماری اس کوشش کو فضول اور "پدرم سلطان بود" کے مصداق سمجھیں گے۔ لیکن ہم ان سے یہ عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کہ کسی دیش کی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ اس کے شاندار ماضی کو اسکے یوگیہ بچوں کے سامنے رکھ دیا جاوے۔ جس دیش کا پراچین اتہاس اعلےٰ۔ اور قدیم تہذیب شاندار ہو۔ اسکا مستقبل بھی جلدی شاندار بن سکتا ہے۔ اگر ہندو بچوں کی آتماؤں پر

یہ زہریلا اثر ڈالا جائے۔ کہ ان کے بزرگ وحشی تھے۔ اور رامائن یا مہابھارت جو ان کی مستند تاریخ سمجھی جاتی ہے۔ ایک فرضی قصہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ تو بتلایئے۔ ان پر کیا اثر ہوگا۔ اور وہ کس طرح آئندہ کام کرنے کے لئے اُتساہت ہو سکیں گے۔

ہم یہ مانتے ہیں۔ کہ ہم کو صرف اپنی پراچین سبھیتا کے گیت گاتے ہوئے ہی اپنا امولیہ سمے نہ گنوا دینا چاہیئے۔ بلکہ آئندہ اپنی ہستی کو قائم رکھنے کے لئے زندگی کی دوڑ میں پوری کوشش اور جد وجہد کرنی چاہیئے۔ کیونکہ جد وجہد زندگی کی علامت ہے اور یہی قدرت کا کبھی نہ ٹوٹنے والا اصول ہے۔ ہر ایک ذی روح کو زندگی کے لئے جد وجہد کرنی پڑتی ہے۔ اسی طرح جب تک ہم اپنے پراچین بزرگوں کے کارناموں اور اپنی قدیم تہذیب سے متاثر ہو کر کام کرنے کے لئے میدان میں نہ نکلیں گے۔ اور پوری محنت اور ہمت سے دوسری قوموں پر اپنی بزرگی اور فضیلت کا سکہ نہ بٹھا دیں گے۔ ہماری حالت اس شعر کے مصداق ہوگی۔

سنبھلو دگر نہ رہنا یہاں اس طرح پڑیگا
بھیل اور گونڈ جیسے گم نام و بے نشان ہیں۔

باب اوّل

ہندؤں کی پراچین سبھیتا

ہمارے نئے تہذیب اور نئے روشنی کے دلدادہ بھائی زیادہ تر مغربی شہادتوں کی بنا پر ہی بعض اوقات اپنے بزرگون کو فرضی قصہ کے ہیروز بتایا کرتے ہیں۔ اس لئے ہم کوشش کریں گے۔ کہ زیادہ تر مغربی شہادتوں سے ہی ان کے دل پر انکی قدیم تہذیب و بزرگی نقش کیجا دے۔

پروفیسر میکس مولر جن کی علمیت اور واقفیت تمام دنیا میں مسلّمہ سمجھی جاتی ہے صاف طور پر اقبال کرتے ہیں۔ کہ قدیم ہندؤن کی تہذیب۔ قدیم ہندون کی علمیت ۔ اور قدیم ہندؤں کا کریکٹر دنیا میں سب سے اعلیٰ اور سب سے قدیم ہے۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔

ویدک علم ادب کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہم تمام نوع انسان کی تعلیم کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ (گویا دنیا کے آغاز سے لیکر آج تک انسان نے تجارتی۔ معاشرتی۔ جسمانی۔ روحانی اور مجلسی جس قسم کی ترقی کی۔ اور جو علم سیکھا۔ اسکا مطالعہ کر رہے ہیں) جس کا ثانی ہمیں دنیا کی کسی اور کتاب مین نہین ملتا۔

دوسری جگہ پروفیسر موصوف یوں رقمطراز ہے"

"ہم بلحاظ زبان کے ایک ہی شاخ اور نسل سے ہیں۔ اور بلحاظ خیالات کے بھی ہم نے ایک ہی گہوارہ میں پرورش پائی ہے۔ بھارت ورش کے تاریخی واقعات تمام ملک، ممالک اور اقوام کے اتہاس سے پہلے کے ہیں۔

بھارت کے تاریخی واقعات ایسے مکمل اور صاف دستاویزات میں محفوظ چلے آتے

ہیں۔ کہ ہم ان سے ایسے سبق سیکھہ سکتے ہیں۔ جو اور کسی تاریخ سے حاصل نہیں ہو سکتے۔ یہ واقعات ہمارے باپ دادوں کے درمیان ایک ایسی مسلسل زنجیر بناتے ہیں۔ جو سوائے آریہ ہندوں کو درمیان میں لانے کے کبھی مرتب نہیں ہو سکتی۔

پروفیسر میکس مولر اپنی کتاب "بھارت ورش سے ہمیں کیا سکھشا ملتی ہے" میں لکھتے ہیں۔

اگر کوئی مجھے دریافت کرے کہ روئے زمین پر وہ کونسا ملک ہے۔ جو دولت ثروت اور قدرتی نظاروں سے مالا مال ہے بلکہ بعض حصوں میں سچ مچ بہشت کا نمونہ ہے۔ تو میں فی الفور آریہ ورت (ہندوستان) کی طرف اشارہ کر دوں گا۔ اگر کوئی مجھہ سے پوچھے۔ کہ انسان کو زمین کے کس حصہ پر اعلیٰ درجہ کے گیان کی روشنی نصیب ہوئی۔ اور انسانی دماغ اور روح نے اعلیٰ ایشوری برکتوں سے کہاں نشو و نما پائی۔ جیون کے اعلیٰ۔ اُدیش کے گہرے مسائل پر کہاں غور د خوض کیا۔ اور آتمک انتی کے اعلیٰ چمتکار اور کرشمے کہاں دیکھے۔ اور ان روحانی مسئلوں کو حل کیا۔ جن کا لوہا افلاطون اور کانٹ کے پیرو بھی مانتے ہیں۔ تو میں کہوں گا۔ کہ یہ بھارت ورش ہی ہے۔ اگر کوئی مجھہ سے پوچھے۔ کہ ہم لوگ جنہوں نے۔ یونانی۔ رومانٹنک اور یہودیوں کے خیالات میں پرورش پائی ہے۔ اور ان کی اعلیٰ اعلیٰ کتب پڑھکر اپنے دماغ کو تربیت دی ہے۔ وہ کون سی زبان ہے۔ جس کے مطالعہ سے ہم سچی روحانی ترقی حاصل کر سکتے ہیں۔ اور مکمل شانتی اور سکھہ حاصل کر کے الشعور کے امرت ہپتر بن سکتے ہیں۔ تو میں کہوں گا۔ کہ وہ بھارت ورش فخر جہان کی سب سے قدیم زبان سنسکرت ہے۔

پروفیسر ہیرن صاحب تحقیقات تاریخ جلد دوم صفحہ ۴۵ پر لکھتے ہیں۔ "آریہ ورت ایک چشمہ ہے جہاں سے نہ صرف ایشیا کے تمام ملکوں بلکہ تمام مغربی دنیا نے بھی تمام علوم حاصل کئے ہیں"۔

مسٹر تھارنٹن لکھتے ہیں۔ ہندوستان کا قدیم ملک ایک غیر معمولی شان و عظمت کا مالک رہ چکا ہے۔

کرنل ٹاڈ فرماتے ہیں۔ ہمیں ایسے رشی اور عالم سوائے بھارت ورش کے کہاں مل سکتے ہیں جن کے فلسفہ کے آگے یونان کا فلسفہ ہیچ تھا۔ جنکی تصنیفات کے سامنے افلاطون ارسطو بھی سر جھکاتے تھے۔ ایسے ماہران علم جوتش و سیارگان ابھی تک اہل یورپ کو حیرت میں ڈال رہے ہیں اور جنکی صنعت کاری اور سنگ تراشی ابھی تک دنیا کو چکا چوند میں ڈال رہی ہے۔ اور وہ ماہران علم موسیقی جو اپنی راگ ودیا کی قابلیت سے ۔ روتوں کو ہنساتے ۔ اور ہنستوں کو رلانے کی طاقت رکھتے تھے۔ سوائے قدیم ہندوؤں کے آج تک کس قوم نے پیدا کئے ہیں؟

کونٹ جارنی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ

ہندوستان میں ہر ایک چیز۔ عجیب ۔ افضل ۔ دلکش اور بے نظیر ہے۔ راجپوتانہ کے جانثار راجپوتوں سے لیکر بنارس کے مندروں کے پجاریوں تک ۔ جنگجو مرہٹہ سوار سے لے کر ہاتھی پر سواری کرنے والوں نوابوں تک ہر ایک اپنی اپنی جگہ حیرت انگیز کارنامے رکھتا ہے۔ قدرت بھی ایسے شاندار ملک میں گوناگوں رنگوں اور نظاروں سے ملبوس ہے ۔ نباتات کی کثرت ۔ موسمی ہواؤں کے خوشگوار جھونکے برف سے ڈھکے ہوئے ہمالہ کی بلند چوٹیوں کی عظمت وسیع ترین بلند میدانوں کے دلفریب نظاروں کی نظیر دنیا کے کسی دوسرے ملک میں نہیں مل سکتی۔ اور یہاں کی سب سے قابل غور اس کی قدیمی تواریخ ہے جس کی تمام پرانی یادداشتیں نظم میں قلمبند کی گئیں ہیں"

اڈنبرا ریویو کے ماہ اکتوبر ۱۸۷۲ء کی اشاعت میں اسکا نامہ نگار نہایت تحقیقات کے بعد لکھتا ہے کہ

ہندو دنیا کی سب سے قدیم قوم ہے۔ جنکی قدامت کے قیمتی ثبوت اب بھی دستیاب ہوتے ہیں۔ چنانچہ تہذیب اور شائستگی میں اب تک کوئی قوم ان سے سبقت نہیں لے گئی۔ جسقدر ہم زیادہ علمی تحقیقات کریں گے۔ اتنا ہی وسیع نظارہ ہمیں ملیگا۔ غرضیکہ قدیم زمانہ کے ہندو قومی زندگی کے ہر ایک پہلو میں سب سے افضل رہ چکے ہیں۔ انسانی دور اندیشی کے ہر ایک صیغہ میں آپ قدیم ہندوں کو سب سے اعلیٰ و قابل پا دینگے" صرف آریہ ہندو ہی ہیں۔ جو ہر ایک لحاظ میں سب سے سبقت لیجا نیوالے

ہیں۔ ہم دنیا کی کسی اور قوم کی نسبت ایسی اعلیٰ رائے نہیں رکھتے"۔
آگے چلکر یہی نامہ نگار لکھتا ہے۔

ممکن ہے آپ کو کوئی قوم علم اسلحہ یا تجارت میں اعلیٰ مل جاوے۔ ممکن ہے کوئی قوم آپ کو فلسفہ میں عروج کی چوٹی پر پہنچی ہوئی دکھائی دے۔ ایسا ہی نظم سائنس۔ راج نیتی یا کسی دوسرے شعبہ میں شاید کوئی قوم آپکو اچھی نظر آ دے لیکن اخلاق اور ذہانت کے لحاظ سے کوئی قوم آریہ جاتی کے ساوی نہیں ہوگی۔ آپ کو کوئی قوم ایسی نہیں ملیگی۔ جو قدیم زمانہ کے ہندوؤں کی طرح انسانی زندگی کے اسقدر محکمہ جات میں ایسی لائق فائق ہو۔ قدیم زمانہ کے ہندو شاعرانہ خیال کے لوگ تھے۔ وہ راگ کا ہنر جانتے تھے۔ اور وہ کامیاب تاجر تھے۔ وہ قوم فلاسفر تھی۔ سائنس میں وہ ایسے چالاک و ہشیار تھے۔ کہ ان کا ثانی نہیں ملتا۔ الغرض ہندوستان میں ہنر اور صنعت درجہ تکمیل تک پہنچ چکا تھا۔ قدیم آریہ ہندو دنیا میں علم ادب اور علم الوہیات کا کیندر اور منبع رہ چکے ہیں۔ ان کی زبان دنیا میں نہایت ہی اعلیٰ اور شیریں ہے۔ قدیم زمانہ کے ہندوں کا قومی چلن۔ بلحاظ صداقت۔ شجاعت اور عزت کے لاثانی رہ چکا ہے۔ ان کی بستیاں تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ان کے راجے اینک سمندر کے دیوتاؤں کی طرح پرستش کئے جاتے ہیں۔ ان کی تہذیب اب تک شائستہ دنیا کے ہر گوشہ میں اور ہماری زندگیوں کے ہر ایک دن میں ہمارے گرد پائی جاتی ہے۔

ممکن ہے کہ بعض معترض کہیں۔ کہ ہندو تہذیب کا صرف روشن پہلو دکھلایا جاتا ہے۔ اور تاریک پہلو کو اس قدر روشنی میں مانند کر دیا گیا ہے۔ انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ پہاڑوں کی بلندی کا اندازہ ان کی سب سے بلند چوٹی سے کیا جاتا ہے۔ نہ کہ ان کی اس پست جگہ سے۔ جو کہیں کہیں ان کے اندر پائی جاتی ہے۔ ہمالیہ پہاڑ کو ان کی۔ ایورسٹ۔ دھول گری اور کنچن جنگا۔ چوٹیوں کی بلندی کے باعث سب سے اونچا مانا جاتا ہے۔ نہ کہ گھاٹیوں یا پست ٹیلوں کے باعث جو مسوری اور دارجلنگ کی پہاڑیوں میں پائے جاتے ہیں۔ ہمیشہ ایسی چھوٹی جگہوں کو نظرانداز کیا جاتا ہے۔

یہ یاد رہے کہ ہمارا مدعا ہندو تہذیب کی خوبیوں کو ظاہر کرنے کا ہے۔ قدیم ہندؤں کے چال چلن اور قابلیت کا خیال لوگوں پر پھیلانے کے لئے جو شائستگی اور تہذیب کے پتلے تھے اور جو تہذیب کی چوٹی پر پہنچ چکے تھے۔ موجودہ زمانہ کے ہندون کی نسبت کچھ تحریر کرنا ہمارے مقاصد سے نہین ہے۔ اس لئے جہاں کہین زمانہ حال کے ہندؤں کی مجلسی۔ مذہبی چال چلن یا علمیت کے متعلق ذکر آ دے گا۔ یا ان کی قابلیت یا لیاقت کا ذکر ہوگا۔ وہ اس تہذیب کے پہلو کو روشن کریگا۔ جو قدیم ہند کے لوگون کے چلن کام یا زندگی کے متعلق مقابلتہً دکھلانے یا موازنہ کرنے کے لیے اشارۃً تذکرہ مین لایا گیا ہوگا۔

یہ ہندو دہرم کی جبلی صداقت ہی ہے۔ اور ہندو تہذیب کی مہانتا اور فضیلت کا ہی ثبوت ہے۔ کہ باوجود سخت ملکی شوروشر کے انقلاب عظیم کے مجلسی دلولوں اور خانہ جنگیوں کے جو مہابھارت سے ہندوستان پر نازل رہین۔ مگر پھر بھی ہندیوں نے اپنی ہستی کو قایم رکھا۔ ان مصیبتوں نے قدیمی مصریوں اور فنیا کے لوگوں کو لپیا کردیا۔ قدیم یونان۔ ایران اور روما کی سلطنتون کو غارت کر دیا۔ اور ان کا نام ونشان مٹا دیا۔ فی الجملہ ہندو تہذیب کے آفتاب کے مقابلہ میں جس کی متواتر اور مسلسل کرنیں دُنیا کے تمام دُور دراز گوشوں تک پڑھ کر اس دنیا کو اپنی روشنی سے منور کرتی رہی ہین۔ اور بنی نوع انسان کو شانتی اور سکھ پہونچاتی رہی ہیں۔ باقی ملکوں کی تہذیب ایک شہاب ثاقب (چمکیلے ستارے) کی طرح جو آسمان میں چند روز کے لئے چمکتا ہے۔ اور اس کے بعد پھر دنیا سے غائب ہوجاتا ہے۔ رہ چکی ہے۔

آئندہ الواب میں قدیم ہندوں کے۔ آئین وضوابط۔ ان کی شجاعت طریقہ انتظام سلطنت۔ ان کی قدیم مجلسی حالت۔ ان کی دیش بھگتی وغیرہ پر روشنی ڈالی جاویگی ہم لالہ ہر بلاس جی۔ ایم۔ اے۔ کے نہایت مشکور وممنون ہین۔ جنکی نہایت عالمانہ تصنیف سے ہمیں اس کتاب کے لئے سب سے زیادہ مدد ملی ہے۔ سمپادک۔

باب دوم

ہندوؤں کی قدامت

جس وقت آریہ ہندو کی تہذیب و شائستگی کا آفتاب بڑی آن بان سے روشن اور اپنی روشنی سے تمام عالم کو منور کر رہا تھا۔ اس وقت مغربی اقوام و روم و یونان کا ابھی نام و نشان بھی دنیا پر موجود نہ تھا۔ مغربی مورخوں نے ہندو قوم کی تاریخ کو گو سب سے قدیم اور افضل بتلایا ہے۔ لیکن انہوں نے ہندوؤں کی قدامت کا نہایت ہی غلط اندازہ لگایا ہے۔ ہندو شائستگی کی قدامت نہایت حیرت انگیز اور اس کی عظمت اور شان و شوکت معجزہ خیز ہے۔ بھارت ورش کی قدامت کے متعلق ہزارہا سالوں کا شمار کرنا ایک افسوس ناک غلطی ہو گی۔ اگر دنیا کی اس عظیم اور قدیم ترین قوم کا زمانۂ پیدائش کا اندازہ کرنا ہو۔ تو آپ کو لاکھوں اور کروڑوں بلکہ اربوں برس پہلے کے زمانے کا شمار کرنا پڑے گا۔ ہندو تہذیب اس دنیا میں سب سے قدیم اور سب سے عظیم ہے۔ اس کے سامنے دنیا کی ہزارہا قومیں بنی اور بگڑیں، کئی سلطنتیں عروج پر پہنچیں۔ اور گر گئیں۔ کئی نسلیں نمودار اور مفقود ہوئیں۔ قوموں نے کئی قسم کے نشیب و فراز دیکھے۔ لیکن قدیم آریہ ہندوؤں کی تہذیب جسے انہیں بنتے اور بگڑتے دیکھا۔ آج بدستور قائم ہے۔

چنانچہ کونٹ جرنس جرن صاحب اپنی کتاب ہسٹری آف دی ہندو کے صفحہ ۵۰ پر حسب ذیل فرماتے ہیں۔

(۱) رُوئے زمین پر کوئی قوم بلحاظ قدامت تہذیب اور دیرینہ مذہب کے ہندوؤں کے ساتھ مقابلہ یا ہمسری نہیں کر سکتی۔
(۲) ڈاکٹر ڈسٹائیل پریزیڈنٹ سیل کالج امریکہ نے ہندوؤں کی تصنیفات کی حیرت انگیز قدامت سے ایسے پر جوش خیالات اور نتائج قائم کیے۔ کہ اس نے سر ولیم جونس کو صاف طور پر درخواست کی کہ کبھی آدم کے زمانہ کے حالات پر روشنی پڑ سکیگی۔ تو ہندوؤں سے ہی دستیاب ہوسکیگی۔
مسٹر ہالیڈ صاحب ہندوؤں کے چار یگوں کے ذکر کرنے کے بعد بڑی عزت سے کہتا ہے۔ کہ اس قدر قدامت کے سامنے حضرت موسےٰ کے کارنامے کل کی باتیں ہیں ایسے زمانوں کے مقابلہ میں حضرت میتھوسلہ کی زندگی بالشت بھر کے برابر ہے۔ ایسا ہی کونٹ جزلس جرن ہندوؤں کے علم جوتش کی قدامت پر ذکر کرتے ہوئے خاتمہ پر لکھتا ہے اگر یہ سچ ہے کہ بقول بیلی صاحب ہندوؤں نے تین ہزار برس قبل مسیح سے پہلے علم جوتش اور ریاضی میں اس قدر عروج حاصل کر لیا تھا۔ تو کس قدر صدیاں اس سے پہلے انہوں نے ان علوم کا آغاز کیا ہوگا۔ کیونکہ انسانی دماغ بتدریج علم کے راستہ میں ترقی کرتا ہے لیکن علم جوتش کسی ملک کی تہذیب اور ترقی کے راستہ میں پہلا علم نہیں ہے۔ بلکہ اس سے پہلے کئی علوم سے واقفیت اور کمالیت کا ہونا ضروری ہے۔
(۳) پلاٹنی صاحب فرماتے ہیں۔"
کہ بیکس کے زمانے سے لیکر سکندر کے عہد تک ۱۵۴ بادشاہوں نے سلطنت کی جن کا راج ۶۴۵۱ برس تک جاری رہا۔ لیکن بیکس سے پہلے کس قدر بادشاہ ہو گذرے ہیں۔ کسی تواریخ سے پتہ نہیں ملتا۔ ابوالفضل راج ترنگنی کے فارسی ترجمہ میں ان راجاؤں کے نام درج کرتا ہے۔ جن کا ذکر ان تاریخوں میں پایا جاتا ہے۔ جنھوں نے ۴۱۰۹ برس ۱۱۔۵۔۹ دن حکومت کی۔
پروفیسر ہیرن صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

کہ دینا سس راجہ سے لے کر چندر گپت کے عہد تک ۶۰۴۲ برس کا زمانہ ہوتا ہے اور میگھستنیز کہتا ہے کہ سیتمبا اور چندر گپت کے درمیان ۶۰۴۲ سال گزرتے ہیں۔

پروفیسر میکس مولر فرماتے ہیں۔ کہ سیتمباجو غالباً دیناسس کا دوسرا نام ہے ۶۷۱۷ برس قبل مسیح حکومت شروع ہوئی۔ یدھشٹر کا سمت بکرماجیت کے سمت سے ۳۰۴۴ برس پہلے شروع ہوا۔ اور حضرت عیسیٰ سے ۳۱۰۰ سال پہلے آغاز ہوا۔ میگھستنیز جو سکندر کی طرف سے چندر گپت تک ۱۵۳ راجاؤں کے نام ان کے عہد سلطنت کا سارا زمانہ درج ہے۔ جو ۶۴۵۱ سال تک پہنچتا ہے۔ جس سے پایا جاتا ہے کہ دیناسس نے سات ہزار سال قبل مسیح حکومت شروع کی گویا مصر کے سب سے قدیمی بادشاہ مینھوس سے جو ۵۸۶۷ سال قبل مسیح ہوا ہے ایکہزار سال پہلے اور سرخی بانی گزا مینار سے دو ہزار برس پہلے۔ سر ولیم جونس کے مطابق ۸۱ راجاؤں نے مگدھ میں حکومت کی۔ پہلے بیس راجاؤں کے عہد حکومت کا حال تو بے شک معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن باقی راجاؤں کو اس نے پانچ خاندانوں میں منقسم کیا ہے۔ جنمیں سے پہلے خاندان کا اول راجہ پراوست ہوا ہے۔ اور آخری مستد ہوا ہے۔ جنہوں نے ۲۱ سو سے ۱۵ سو برس قبل عیسیٰ تک حکومت کی۔ اس خاندان کے ۱۶ راجہ ہو گذرے ہیں۔ دوسرے خاندان کے دس راجے ہوئے ہیں۔ جنہوں نے ۱۳۶۵ سال قبل مسیح تک حکومت کی۔ تیسرا خاندان سونگا کا بنا۔ جس کے دس راجاؤں نے ۱۲۵۳ سال قبل مسیح تک حکومت کی۔ دوسرے کانا خاندان کے چار راجے ہوئے۔ جنہوں نے ۹۰۸ سال قبل مسیح تک اور پانچویں اندرہ خاندان کے ۲۱ راجاؤں نے ۴۵۶ برس قبل مسیح حکومت کی۔ اب پرالال کے مطابق پراوست سے پہلے مگدھ میں برد ہاریتھ نسل کے راجوں نے سلطنت کی۔ جنہوں نے سومانی سے رپونجیا تک

ایک ہزار سال کے لئے راج کیا۔ بپر دہار ہنہ نسل کے پہلے راجہ نے سہدیو اور جراسندہ نے سگدہ دیش پر اپنا سکہ چلایا (دیکھو ہیکس ڈنکر صاحب کی تواریخ قدامت صفحہ ۷۷ جلد ۴)

ہندوؤں کی قدامت کا یہ بھی بدیہی ثبوت ہے کہ قدیم ہند دسلطنت کے راجے خاص مختلف اشخاص نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ خاندانوں کے خاندان راج کرتے چلے آئے ہیں۔

کونٹ جرنس جارن اہل ہند کی قدیمی جوتش پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ہندوؤں کی قدیم تہذیب کے پیش کردہ ثبوت کے سوا بھاری ثبوت یہ ہے۔ کہ ان کے مندر بڑے بڑے پہاڑی چٹانوں سے تراشیدہ ہیں جو الفنٹا اور الیورا جیسے کئی مقامات پر ان کی اعلیٰ درجہ کی صنعت اور محنت کا ثبوت دیتے ہیں۔ جو مصر کے مینار وں اور صنعت وکاریگری میں دنیابھر میں بےنظیر اور یکتا ہیں۔

پروفیسر ہیرن صاحب فرماتے ہیں۔ کہ ہم اجودھیا کی ابتدا کو دو ہزار برس قبل مسیح رکھنے میں ذرا بھی مبالغہ سے کام نہیں لیتے۔

کپتان ٹراڈ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ میں اس امر کے تسلیم کرنے سے انکار نہیں کر سکتا۔ کہ بڑی سلطنتیں جو تہذیب کی چوٹی پر پہنچی ہوئی ہیں۔ وہ تین ہزار برس قبل مسیح موجود تھیں۔ لیکن رامائن کے ہیرو رامچندر کو میں اس حد سے بھی پرے جانتا ہوں۔ مہابھارت کے بموجب اجودھیا ۱۵۰۰ سو برس تک عروج پر رہی جسکے بعد سرگا خاندان کے ایک راجہ نے قنوج کی بنیاد ڈالی۔

دہلی شہر کی بنیاد جسکا نام اندر پرست تہا۔ اتنی قدیمی ہے کہ کوئی تاریخ اسکا زمانہ قدیم نہیں بتلا سکتی۔

رتیل صاحب فرماتے ہیں۔ کہ قنوج کی بنیاد حضرت عیسیٰ سے ایک ہزار برس پہلے ڈالی گئی تہی۔ لیکن یورپی مورخین کے ان قیاسی گھوڑ دوڑوں کو نظر انداز کرکے ہم جرأت سے کہہ سکتے ہیں کہ ہندوؤں کی قدیمی

تاریخ اس قدر زمانہ کے اندازے سے بعید ہے اسلئے تحریر کے میدان میں اس کا پیش کرنا انسانی خیال اور دماغ کی حد سے باہر ہے۔

کونٹ جارنس جورن صاحب فرماتے ہیں۔ کہ باختریا کے صحیفے جو سر ولیم جونس کشمیر سے یورپ میں لایا تھا۔ اور دبستان کے نام سے مشہور ہیں۔ اسمیں مہا ورد ونی راجاؤں کی مکمل فہرست موجود ہے۔ جنکی پہلی لڑی نے باختریا میں سکندر کے حملہ ہند سے پہلے ۵۶۰۰ سال حکومت کی۔ یعنی کئی سو برس عیسائیوں کی پیدائش دنیا سے پہلے۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ باختریا کے راجے ہندو تھے۔ پس دبستان سے صاف ظاہر ہے۔ کہ ہندو لوگ چھ ہزار برس قبل مسیح اعلیٰ درجہ کے مہذب اور شائستہ تھے۔ پس یہ امر اس بات کا کافی ثبوت ہے۔ کہ قدیم زمانہ کے ہندو لوگ روئے زمین پر سب سے قدیم قوم رہ چکے ہیں۔ ہندوں کی لاثانی قدامت کا ایک اور قطعی ثبوت یہ ہے کہ قدیم دنیا کی تمام قوموں نے اپنی تہذیب ہندوں سے حاصل کی ہے۔ اور ہندوؤں نے دنیا کے تمام حصص میں بستیاں بنائیں۔ یہ بستیاں مصر۔ یونان۔ ایران چین اور امریکہ کے نام سے مشہور ہوئیں۔ ایسا ہی سکینڈ نیویا۔ جرمنی۔ قدیمی برطانیہ والوں نے اپنی تہذیب اور مذہب کو ہندوں سے حاصل کیا۔ الغرض یہ آریہ ورت ہی تھا۔ جس نے تمام دنیا کو تہذیب علم اور مذہب بہم پہنچایا۔

دنیا میں نہایت ہی قدیم سکہ ہندو دآریوں کا ملتا ہے۔ چنانچہ زمانہ حال میں جو قدیم ہند کے سکے دستیاب ہوئے ہیں وہ ہندو قوم کی قدامت کا قطعی ثبوت ہیں۔ لیکن یورپ کے لوگوں کے لیئے ہندوستان کی ہر ایک چیز حیرت انگیز ہے۔ اگرچہ ہندوستان پر وحشیانہ اور متعصبانہ تباہ کرنے والے حملے ہوئے لیکن پھر بھی کافی مصالحہ موجود ہے جس سے ہم سائنٹیفک بنیاد پر موجودہ زمین کی عمر کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ سوامی دیانند سرسوتی نے رگ وید آدی بھاشیہ۔ بھومکا میں اس مضمون پر بڑی وضاحت سے لکھا ہے اور چاندا پور کے میلہ پر

بریلی میں پادری سکاٹ صاحب کے ساتھ اس بارہ میں مباحثہ بھی کیا ہے چنانچہ سنکلپ جو ہر ایک ہندو اچھی طرح جانتا ہے۔ اور ہر ایک سنسکار اور یگ میں پڑھا جاتا ہے۔ گنگا میں غوطے لگاتے وقت بھی پڑھا جاتا ہے۔ وہ سرشٹی اُتپتی کے لئے ایک طرح کی کلید ہے۔ جس سے تمام اسرار عالم آفرینش کا منکشف ہوجاتا ہے۔ یہ یاد رہے کہ دُنیا کی اُتپتی اور پرلے ہوتی رہتی ہے۔ یعنی پرمانوؤں میں لے ہوجاتی ہے۔ چنانچہ پہلے کو برہم دن اور پرلے کو برہم راتری کہتے ہیں۔ جیسا کہ اتھروید میں آیا ہے کہ برہم دن چار ارب ۳۲ کروڑ سال کا ہوتا ہے۔ اس برہم دن کی ایک ہزار چترگی ہوتی ہے۔ ایک چترگی میں چار یگ یعنی ست۔ تریتا۔ دواپر اور کل یگ ہوتے ہیں۔ جن کی عمر حسب ذیل ہوتی ہے۔

ست یگ ۱۷ لاکھ ۲۰ ہزار۔ تریتا ۱۲ لاکھ چھیانوے ہزار۔ دواپر آٹھ لاکھ چوسٹھ ہزار۔ کل یگ چار لاکھ بتیس ہزار۔ کُل ۴۳ لاکھ بیس ہزار۔ اس طرح سے برہم دن ۴۳۲۰۰۰۰۰۰۰ کا ہوتا ہے۔ یہ زمانہ ہے جسمیں کہ دُنیا موجودہ حالت میں رہیگی۔ برہم دن کے ۱۴ منونتر ہوتے ہیں۔ ایک منونتر میں اکہتر چترگیاں ہوتی ہیں۔ چنانچہ منوسمرتی اور سوریہ سدھانت میں مفصل تشریح درج ہے۔

سنکلپ کے مطابق چھ منونتر گذر چکے ہیں۔ ساتواں گزر رہا ہے۔ اور ابھی باقی سات اور رہتے ہیں۔ ہر ایک چترگی میں ۴۳۲۰۰۰۰ سال ہوتے ہیں۔ اور ہر ایک منونتر میں ۳۰۶۷۲۰۰۰۰ سال ہوتے ہیں۔ اب چھ منونتروں کے اس حساب سے ۱۸۴۰۳۲۰۰۰۰ سال گذر چکے ہیں۔ اور موجودہ کل یگ ۲۸ چترگی کا کل جگ ہے۔ اس چترگی سے ۵۰۱۰ سال گذر چکے ہیں۔ اور ۴۲۶۹۸۹ سال باقی رہتے ہیں۔ اسطرح سے کل ۱۲۰۵۳۳۰۱۰۱ سال گذر چکے ہیں۔ اور ابھی ۲۱۴۷۰۴۰۰۰۰ باقی رہتے ہیں۔ یورپ کے لوگ چونکہ ایک محدود دائرہ کے اندر ہی رہنا چاہتے ہیں۔ اسقدر قدامت کو حیرت انگیز سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اُنکی مذہبی کتب چھ ہزار سال سے آگے نہیں بڑھ سکتیں۔

لیکن اب روشنی کی کرنیں آگے بڑھ رہی ہیں۔ اور زمانہ حال کے علوم اور ترقی اس زنجیر کو توڑ ڈالینگی۔ اور صدیاں لاکھوں برسوں میں منتقل ہو کر زمین اور اسکی پیدائش کا زمانہ ثابت کرینگی۔

مسٹر بالڈون صاحب رقمطراز ہیں

"بے شک و شبہ انسانی نسل کی قدامت بہت ہی دیرینہ ہے۔ اور اُن لوگوں کا خیال جو علم تواریخ کے وسطی زمانہ تک ہی محدود رہتے ہیں۔ بالکل غلط اور بعید از قیاس ہے۔ علم قدامت اشیاء اور زبان سے صاف ظاہر ہے۔ کہ حضرت عیسےٰ اور پیدائش عالم کے درمیان اسقدر وسیع اور طویل زمانہ کا فرق ہے۔ جسکا اندازہ صدیوں کی بجائے لاکھوں برسوں سے بھی نہیں کیا جا سکتا"۔

اسکے علاوہ ہزارہا ایسے مصنفین ہیں۔ جنکی رائے میں آریہ ہندو سب سے قدیم اور سب سے پہلی تہذیب کے مالک سمجھے جاتے ہیں۔ اور جنکی راؤں کا اقتباس یہاں کیا جا سکتا ہے۔ مگر طوالت کے خوف سے اُسے ہم نظرانداز کرتے ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے۔ کہ ہمارے دعوے کی تائید زمانہ حال کے سائنٹیفک گروہ کی طرف سے بڑے زور سے ہوتی ہے۔ ہندوؤں کا زمانہ پیدائش عالم کروڑوں سے گذر کر اربوں تک پہنچتا ہے۔ چنانچہ اسوقت جسقدر سائنس دان یوروپ اور امریکہ میں موجود ہیں۔ اُن کے تجربات اور رائے کی بنا پر موجودہ دُنیا کی پیدائش کا زمانہ بھی کروڑوں برسوں سے کم نہیں ٹھیرتا۔ اِسکے متعلق مفصل تحقیقات آریہ مسافر پنڈت لیکھرام مرحوم نے اپنی تصنیف "تاریخ دُنیا" میں کمال جانفشانی سے کی ہے۔ محقق ناظرین کو اُسکا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

باب سوم

قدیم آریہ ہندوؤں کا نظامِ سلطنت

اور

آئین و ضابطہ

کِسقدر سخت رنج کا مقام ہے۔ کہ بعض ودیشی محقق دانستہ یا نادانستہ طور پر ہندو تواریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے ہندوؤں کی انتظامی قابلیت کو بالکل نظرانداز کر دیتے ہیں۔ حالانکہ ہندو تواریخ کا ایک معمولی طالب علم بھی جانتا ہے۔ کہ قدیم ہندوؤں کو انتظامِ سلطنت اور آئین و قوانین میں جسقدر شہرت حاصل تھی۔ اور جس خوبی سے وہ قانون وضع کرتے تھے۔ اُسکی مثال مشکل سے ہی دُنیا کی دیگر ترقی یافتہ اقوام مین ملیگی۔ جن لوگوں نے شکر نیتی اور منو سمرتی وغیرہ کا مطالعہ ذرا بھی غور بین نگاہ سے کیا ہے۔ وہ سمجھ سکتے ہیں۔ کہ آج تک دُنیا نے منو سے کسقدر مقنّن پیدا کئے ہیں۔ ہندوؤں کی حیرت انگیز قابلیتاں۔ غیر معمولی طاقت مشاہدہ اور لاثانی قوت ادرک کی مثالیں بُہت کم ملتی ہیں۔ ہندو ہر ایک کام میں قانون قدرت کی پیروی کرتے تھے۔ اُنھوں نے نہایت باریک بینی اور محققانہ نگاہ سے قانونِ قُدرت کا مطالعہ کیا تھا۔ وہ دانشمندی اور ذہانت کے آخری معراج پر پہنچ چکے تھے۔ اور یہی وجہ ہے کہ آج دُنیا کے تمام قانونی لٹریچر میں ہندوؤں کے قوانین اور دھرم شاستر کو ایک خاص درجہ حاصل ہے۔ باقی رہا انتظامِ سلطنت کو وہ بھی قدیم ہندوؤں سے بہتر شاید ہی دُنیا کی کوئی دوسری قوم جانتی ہو۔ جسکے ثبوت کے لئے ہم بہت سی شہادتیں پیش کریں گے جب آپ ہندوؤں کی راج نیتی کو غور سے مطالعہ کریں۔ تو صاف عیاں

ہو گا۔ کہ آج جو طریقہ حکومت بڑا اہر دلعزیز اور مقبول سمجھا جاتا ہے۔ ہندوستان میں لکھوکھہا سال سے اسی قسم کی طرزِ حکومت قائم تھی۔ اور ہندوؤں کے طرزِ حکومت پر غیر ممالک کے سیاحوں اور مورخوں نے پُوری روشنی ڈالی ہے تمام قدیمی یونانی مورخ اور سیاح ہندوؤں کے انتظامِ سلطنت کی خوبی کا اعتراف کرتے رہے ہیں۔

ایڈمنڈ برک کا مقولہ ہے کہ

"کوئی ملک جہاں آبادی کثرت سے خوشحال ہو۔ بدانتظام گورنمنٹ کے ماتحت نہیں رہ سکتا"

اِسی معیار کو سامنے رکھ کر ہم قدیم ہندوؤں کے انتظام سلطنت پر کچھ لکھیں گے۔ برک کی رائے میں کسی گورنمنٹ کے اچھے یا بُرے ہونے کے لئے دو ہی معیار ہو سکتے ہیں۔ **آبادی اور دولت**

چنانچہ اس معیار کو سامنے رکھیں۔ تو ہندوؤں کی خوش انتظامی کا کافی ثبوت مِلتا ہے۔

مشہور سیاح اپالوداس لکھتا ہے۔ کہ دریائے جہلم اور چناب کے درمیان پندرہ سو شہر آباد تھے۔ جنہیں سے کسی کا طُول و عرض ایک کوس سے کم نہ تھا۔

مگستھینز نے لکھا ہے۔ "کہ ہندوستان میں ۱۲۰۰ قومیں آباد ہیں۔

ایک دُوسرا ایرین نامی سیاح رقمطراز ہے کہ ہندو لوگ بھارت ورش میں نہایت کثیر تعداد میں آباد تھے۔ اور ہندوستان کے شہروں کا شمار کرنا تقریباً ناممکن ہے۔

ڈی بیبی لکھتا ہے "دُنیا کی تمام قومیں ایک جگہ جمع کرنے سے بمشکل ہندوؤں جتنی قومیں بنیں گی۔ اِسکے علاوہ اُن کی کثرت آبادی کا اِس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ ہندوؤں کی تمام دُنیا میں بستیاں تھیں۔ اور وہ نقل مکان کرتے تھے۔ یہی بستیاں آج نئی اور پُرانی دُنیا کے نام سے مشہور ہیں۔

دولت کے بارہ میں تو شاید ہمیں بہت کچھ لکھنے کی ضرورت نہ ہوگی اسے سورن بھومی یعنی سونے کی زمین کا نام مل چکا ہے۔ آج تک اسے تمام یورپین ممالک میں سونے کی چڑیا سمجھا جاتا رہا ہے۔ محمود کو یہاں کی دولت کھینچ لائی امیر تیمور کی آنکھیں یہاں کے سونے اور جواہرات کے سامنے چوندھیا گئیں۔ ہزارہا سال سے بھارت ورش کے خزانے غیر اقوام خالی کرتی رہیں۔ اور یہاں کے خزانوں سے دنیا کی قومیں آباد ہوئیں۔ یہاں کی دولت سے ہزارہا عظیم الشان شہر تعمیر کئے گئے۔ محمود نے جب سومنات کے مندر کو توڑنے کا ارادہ کیا تو وہاں کے پجاریوں نے کروڑہا روپیہ اسکی نذر کرنا چاہا کہ وہ اس بت کو نہ توڑے۔ غرضیکہ ہندوستان کبھی بلحاظ دولت نہ صرف دنیا میں سب سے زیادہ دولت مند تھا۔ بلکہ سچ پوچھئے تو جس طرح بھارت ورش دنیا کے تمام علم و ہنر کا مخزن اور منبع سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح آج تمام اقوام عالم بھارت ورش کے خزانے کی مقروض ہیں۔ امریکہ میں جو آج ایک ایک مالدار اربوں روپیہ کا مالک ہے اس نے اسقدر روپیہ کہاں سے جمع کیا۔ انگلستان جسکے پاس آج سے چند صدیاں پہلے جنگل کی کھال پہننے اور رہنے کو معمولی جھونپڑیوں کے سوائے کچھ نہ تھا۔ کسطرح دنیا کا سب سے زیادہ دولتمند ملک بن گیا۔ جرمن اور فرانس کو جہان کی تجارتی منڈیاں اربوں روپیہ کے سرمایہ سے کام کر رہی ہیں۔ کون سا قارون کا خزانہ مل گیا۔ یہ سب قدیم بھارت ورش کے کبھی ختم نہ ہونے والے خزانے کی ہی برکت ہے۔ کہ آج وہاں روپیہ کی ہر طرف ریل پیل ہو رہی ہے۔

قدیم ہند کی اعلےٰ گورنمنٹ کا اس سے بڑھ کر بدیہی ثبوت کیا ہو سکتا ہے۔ کہ یہاں کوئی چور نہ ہوتے تھے۔ لوگ مکانوں کے دروازے بند کرنا یا مقفل کرنا نہیں جانتے تھے۔ گورنمنٹ کی نوعیت کا مدار لوگوں کے چلن۔ انکی مجلسی حالت اور روزانہ زندگی کے رویہ پر منحصر ہے۔ جوں جوں ان حالات میں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ گورنمنٹ

کی صورت بھی بدلتی جاتی ہے۔ پس گورنمنٹ کی سب سے اعلیٰ نوعیت
وہ ہے۔ جس سے لوگ اعلیٰ چلن کے۔ شریف طبع ہمدرد عمدہ اوصاف
والے۔ اعلیٰ قابلیت کے آدمی ہوں۔ اور کم ظرف۔ بد چلن۔ تنگ دل
اور بُری خصائل کے نہ ہوں۔ فی الجملہ گورنمنٹ کے اصلی فرائض دو ہیں۔
یعنی (۱) اپنی قوم کا بچاؤ (۲) ایک آدمی یا فرقہ کو دوسرے انسان یا قوم
یا فرقہ سے محفوظ کرنا۔ گورنمنٹ کی نوعیت میں تبدیلی ہو سکتی ہے۔ لیکن
اسکی متانت کا انحصار لوگوں کے چلن پر ہے۔ اگر اخلاقی اصول لوگوں
کی روزانہ زندگی میں قومی حیثیت سے پائے جاتے ہوں۔ تو آپ سمجھ لیں کہ اس
قوم کی گورنمنٹ باہمی خانگی جھگڑوں اور تنازعات سے جو ایک فرقہ کے
دوسرے فرقہ سے یا ایک شخص کے دوسرے شخص سے پیدا ہوتے ہیں
آزاد ہوگی۔ اور مثل یورپ اور امریکہ کے زمانہ حال کی گورنمنٹ کے طاقت
یا اپنے بچاؤ کے لئے ایک دوسرے کے برخلاف جھگڑا اور تنازعہ پیدا نہ
ہوگا۔ یہی قانون ہمیں وہ مسلّمہ اصول ظاہر کرتا ہے۔ کہ آتمک اُنتی نہ صرف
ہمیں مادی ترقی میں امداد کرتی ہے۔ بلکہ لوگوں کی خوشی کے لئے اس کا
ہونا ضروری ہے۔ اور گورنمنٹ کے مقصد اور اغراض کے حل کرنے کے
لئے یہ ایک انڈکس ہے۔ مسٹر ہربرٹ سپنسر صاحب کہتا ہے۔ کہ فطرتاً
ہر ایک شائستہ قوم میں آزادی کا خیال پیدا ہو گیا ہے۔ جو پولٹیکل اغراض
کے ساتھ وابستہ ہے۔ جو آزادی کو قائم کرنے کے لئے بنائے جاتے ہیں زمانہ
سلف کے قریباً تمام ملکوں میں اور زمانہ حال کے چند ملکوں میں تجربہ سے
ثابت ہوتا ہے۔ کہ حاکم لوگ اپنے محکوموں کے ساتھ زیادہ سختی سے برتاؤ
کرتے ہیں۔ لیکن جن ملکوں میں رعایا نے کچھ طاقت حاصل کر لی ہے۔ وہاں
لوگوں کی آزادی اور حقوق کے لئے قواعد بہت نرم ہو جاتے ہیں۔ اور کثرت
رائے پر فیصلہ کرنا لوگوں کی آزادی کے حق میں اور حکام کے ناجائز دباؤ کو
دور کرنے کے لئے بہت مفید ثابت ہوا ہے۔ اس لئے کثیر الآبادی والی
قومیں آزاد قومیں تصور کی جاتی ہیں۔ اور رعایا کے پولٹیکل حقوق کو محفوظ

رکھنا بمنزلہ آزادی تصور کیا جاتا ہے۔ اس بنیاد پر ہندوستان کے رشیوں
نے ملک کی ا دستھا ..... کو قائم رکھنے کے لئے لوگوں کے اعلےٰ اخلاق اور
دھارمک ہونے پر سخت زور دے رکھا تھا۔ کیونکہ جتنا کہ لوگ زیادہ .....
سداچاری بااصول اور دھارمک ہوں گے اُتنا ہی زیادہ وہ آزادی بھوگیں گے۔
اسلئے یہ مثل سچ ہے کہ جتنا ہی لوگ زیادہ سنجیدہ اور بااصول ہوں گے۔
اُن پر حکومت بھی تھوڑی کرنی پڑے گی۔

رعایا پر زیادہ حکومت یا دباؤ کا ہونا ایک قسم کی بدی ہے۔ جو انجام کار
ایسی سلطنت کو پسپا کرتی ہے۔ اسکے اصلی اُدیش گر جاتے ہیں۔ قدیم
ہندوستان میں لوگوں کی آتمک اور سماجک اُنتی کے باعث ان پر بہت
حکومت کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ وہ بہت رسوتنترتا سے رہتے سہتے تھے
اعلےٰ چلن اور سماجک اُنتی نہ ہونے کے کارن سے یورپ اور امریکہ میں پوری
آزادی نصیب نہیں ہوتی ہے۔ چنانچہ سپنسر صاحب فرماتے ہیں۔ کہ اگر انسان
کو رفتہ رفتہ سماجک اُنتی کی چوٹی پر لایا جاوے۔ تو اسکے اندر جو غیر محدود
طاقت کا خیال ہوتا ہے۔ رفع ہو سکتا ہے۔ اسوقت تک لوگوں کے
اندر حکومت اور جبر کے بھاؤ موجود ہیں۔ جبکہ بہت ترقی یافتہ قومیں ایک
دوسرے کے ساتھ حسد و رشک کرتی ہیں۔ تو اس سے پایا جاتا ہے۔ کہ
ابھی اُن لوگوں کے اندر بھراتری بھاؤ اور باہمی محبت کا مادہ موجود نہیں ہے
جس سے کہ وہ ایک دوسرے پر زیادتی نہ کر سکیں۔

مہابھارت کے یُدھ (جنگ) کے بعد ہندو راج نیتی کے جاننے والوں
نے ہر طرح سے کوشش کی کہ پراچین طریقہ کے انتظام سلطنت کو قائم رکھیں
اور ساتھ ہی انہوں نے نئی قسم کے عنصروں کو بھی جذب کرنے کی کوشش کی
جو زندگی کی قدرے تبدیل شدہ حالت پر عائد ہو چکے تھے۔ چنانچہ برک صاحب
کا قول ٹھیک ہے۔ کہ "سچا مدبر وہی ہے۔ جو حاصل کردہ چیز کو قائم رکھتا
ہے۔ اور آئندہ ترقی کے واسطے گنجائش رکھتا ہے۔" پس اگرچہ مہابھارت
کے بعد ہندوؤں کی روحانی ترقی میں غفلت ہو گئی۔ اور اُنکی سوتنترتا میں

بھی فرق آنے لگ گیا۔ لیکن چونکہ انتظام سلطنت کی بنیاد مضبوط تھی۔ وہ مختلف حالات کے مطابق ہوتی گئی۔ حتیٰ کہ ترقی کے اصولوں کو مدِ نظر رکھنے کی بجائے پرانے اصولوں پر قائم رہنا اُنہوں نے پسند کیا۔ اور جب تک ہند پر غیر ملک کے لوگوں نے آکر حملے نہیں کئے اُنہوں نے اپنے اندرونی انتظام سلطنت میں ذرا بھی تبدیلی نہ آنے دی۔

آرین سیاح بہت حیرت سے بیان کرتا ہے۔ کہ ہر ایک ہندوستان کا باشندہ سوتنتر (آزاد) ہے۔ لفٹننٹ کرنل مارک ولک لکھتا ہے کہ ہر ایک ہندو شہر بذاتِ خود ایک چھوٹی جمہوری سلطنت یا خاص جماعت سمجھی جاتی تھی۔ تمام ہندوستان ایسی جمہوری سلطنتوں کا ایک وسیع مجموعہ ہے۔ یہ واقعات اس مسئلہ کی تائید نہیں کرتے کہ جمہوری حکومت ہندوستان کے قابل نہیں ہے۔ بلکہ جیمس مل مجبور اً مانتا ہے۔ کہ قدیمی قوانین کی اصلیت جاننے میں ہم جمہوری سلطنت کے صاف نشانات پاتے ہیں۔

انتظامیہ حکومت کے بارہ میں پروفیسر ڈنکر کہتا ہے۔ کہ راجہ کی طرف سے ہر ایک گاؤں پر افسر مقرر ہوتے تھے۔ دس بیس گاؤں کے اُوپر افسر مقرر ہوتا تھا۔ اور یہ تمام گاؤں ملکر ضلع بنتا تھا۔ اس قسم کے پانچ دس اضلاع ملکر چھاؤنی (قسمت) کہلاتی تھی۔ جس میں سو گاؤں ہوتے تھے۔ اور پھر اُنکے اُوپر اعلےٰ درجہ کا مجسٹریٹ تعینات ہوتا تھا۔ ان علاقوں سے دس علاقوں کا ایک قلعہ بنتا تھا۔ جس میں ایک ہزار گاؤں شامل ہوتا تھا۔ اور یہ ایک گورنر کے ماتحت ہوتے تھے ضلعوں کے اورسیر انتظام قائم رکھنے کے لئے اپنے ماتحت سپاہی رکھا کرتے تھے۔ یہ امر انتظام سلطنت کی ترقی یافتہ مرحلہ کی بدیہی شہادت ہے۔

ہندوستان کی پولیس نہایت اعلےٰ درجہ کی تھی۔ میجر تینز کہتا ہے کہ چندرگپت کے دربار میں جس میں چار لاکھ آدمی شامل تھے۔ روزانہ

چوری کی تعداد ۳۰ روپیہ سے زیادہ نہ تھی۔ ایسا ہی سر چارلس مٹکاف صاحب فرماتے ہیں۔ کہ دیہاتی پنچائتیں چھوٹی چھوٹی جمہوری سلطنتیں ہیں۔ جو اپنے اندر تمام ضروری اشیاء رکھتی ہیں۔ اور غیر ملک کی قوموں سے بالکل الگ اور خود مختار ہیں۔ ایک خاندان کے بعد دوسرا خاندان تباہ ہوتا ہے۔ ایک انقلاب کے بعد دوسرا انقلاب آتا ہے۔ پٹھان مغل مرہٹہ۔ سکھ۔ انگریز تمام باری باری سے ہند پر حکمران ہوئے۔ لیکن دیہاتی جماعتوں کا انتظام بدستور قائم رہا۔ دیہاتی جماعتوں کا یہ اتحاد جو اپنی اپنی جگہ پر خود مختار ریاستیں ہیں۔ ہندوؤں کی خوشی کا اعلےٰ درجہ کا ذریعہ ہیں۔

ہندو تہذیب کی فیاضانہ اور ہمدردانہ خوبی اس امر سے ظاہر ہے کہ ہندو بستیوں اور نو آبادیوں میں بھی اس قسم کی تہذیب۔ آزادی اور خود مختاری ہوتی تھی۔ جیسے کہ اصلی ملک میں۔ چنانچہ سر سٹامفورڈ ریفل صاحب جزیرہ بالی کی نسبت تحریر فرماتے ہیں۔ کہ یہاں برہمنی دھرم کے ساتھ ابتک ہندو میونسپل انتظام کی قدیمی حالت قایم ہے۔ چنانچہ راج نیتی۔ پولیس اور انتظام سلطنت کے بارہ میں جو ہندوؤں کی کتابیں ہیں۔ اُن سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ان ایام میں پولٹیکل خیالات بڑے عروج پر تھے۔ ان میں سے بعض کتب فارسی میں اور وہاں سے یورپ کی زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہیں۔ ابوسید نے راج نیتی کو سنہ ۱۱۵۰ء میں فارسی میں ترجمہ کیا۔ بزرجمہر نوشیرواں عادل کے وزیر نے ہندوستان میں آکر ملکی معاملات پر تعلیم حاصل کی۔ قانون ہی عمدہ انتظام سلطنت کا معیار ہے۔ قانون پر ہی ہندوؤں کی اعلےٰ کتاب دانائی اور سادگی کا اعلےٰ نمونہ ہے۔ اسمیں کوئی پیچیدگی نہیں پائی جاتی۔ بلکہ اس سے لوگوں کی تمام مختلف ضرورتیں رفع ہوتی ہیں۔

ان کے قوانین روزمرہ تبدیل نہیں ہوا کرتے تھے۔ لیکن پھر بھی وہ ہندو سوسائٹی کے مختلف حالات کے موافق تھے۔ سر ولیم جونس صاحب

فرماتے ہیں۔ کہ منو کے قوانین سولن اور لیکرگس سے بہت پہلے کے تھے۔ اگرچہ تحریر کے رواج سے پہلے وہ عام طور پر رائج تھے۔ اور وہ مصر و ہندستان کی پہلی سلطنتوں کے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے۔ انگریزوں نے اہل رُوما سے اپنے قوانین حاصل کئے۔ اور اُنہوں نے یُونان سے حاصل کئے۔ لیکن اہل یُونان قانون کے لئے ہندوستان کے مشکور ہیں۔ سر ولیم جونس کہتا ہے کہ اگرچہ مُنو کبھی کریٹ میں نہیں گیا۔ لیکن اُسکے کئی قانون اس جزیرہ میں تسلیم کئے جاتے تھے۔ جہاں سے کہ سَو دو سَو برس بعد لیکرگس سپارٹا میں لے گیا۔

بائیبل اِن انڈیا میں ذکر ہے۔ کہ منوسمرتی بنیاد تھی۔ جس پر کہ مصری ایرانی۔ یُونانی اور اہل روما کا قانون قائم ہُوا۔ اور منوسمرتی کا اثر ابتک روزمرہ یُورپ میں پایا جاتا ہے۔

پروفیسر ولسن صاحب فرماتے ہیں۔ کہ ہندوؤں کا ضابطہ قانون ایسا تھا۔ کہ اسکے اندر مختلف قسم کے تعلقات و ضوابط کا ذکر ہے۔ جو سوائے مجلسی انتظام کی ترقی یافتہ اور مہذب سوسائٹی کے اور کسی کے نہیں ہو سکتے۔

کولمن صاحب فرماتے ہیں۔ کہ منوسمرتی کی طرز ایسی عُمدہ ہے۔ جس سے قانون کی زبان کی آواز نکلتی ہے۔ اور نہایت معزز دباؤ اس میں قانون کا پایا جاتا ہے۔

ڈاکٹر برٹن صاحب فرماتے ہیں۔ کہ ہندو دھرم شاستر مختلف پہلوؤں اور قوانین کے لحاظ سے نہ صرف جسٹی نین کے قوانین کے مقابلہ میں بہت اچھا ہے۔ بلکہ تمام مہذب قوموں کے قوانین کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ جن باتوں کا ہندوؤں کے دھرم شاستر میں ذکر ہے۔ وہ عُمدہ ترتیب میں رکھے ہوئے ہیں۔ وہ نہ صرف بے شمار ہیں بلکہ وسیع ہیں۔ اِن میں بہت گہرے وچار داخل ہیں۔ اور ایسی باریکیاں ہیں۔ جو باریک بینی اور دقیقہ شناسی قوم کے لئے ضروری ہیں۔ اِن سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ وہ ہر ایک قسم کے قانون سے واقف اور پُورے پُورے آشنا تھے۔ ہر ایک

معاملہ پر فیصلہ جات انصاف پر مبنی ہیں۔ جو انسان دل سے مان سکتا ہے۔ اور جنگی انسان ہر ایک مُلک میں عزت کرتا ہے۔ جس کسی نے ہندو دھرم شاستر کو ذرا بھی پڑتال کیا ہو وہ کہہ سکتا ہے کہ اس میں مہذب اور تجارتی لوگوں کے متعلقہ قوانین مکمل طور پر پائے جاتے ہیں۔ کسی خاص مضمون کو لے لیجئے۔ اسکی فروعات اور باریکیوں کی تشریح اسمیں پائی جاتی ہے۔ جو بعض صورتوں میں یورپ کے قانون دانوں کی سمجھ اور فہم سے بھی آگے قدم رکھتے ہیں۔ بڑے تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض قوانین وضوابطہ جن سے اعلےٰ درجہ کی تہذیب ٹپکتی ہے۔ وہ نہایت ہی قدیم زمانہ میں بنائے گئے تھے۔

ایشیاٹک جنرل میں ایک مؤرخ تحریر کرتا ہے کہ ہندوؤں کے قانون ضمانت میں احتیاط اور ہوشیاری کے تمام ضروری امور اور نیز غفلت اور عدم ادائیگی کے تمام نکات ایسی صراحت اور وضاحت سے پائے جاتے ہیں۔ کہ یورپ کی نہایت ہی شائستہ مُلکوں میں بھی اب تک ویسے پُرمعنی دلائل دستیاب نہیں ہوتے۔

کلوکا بھٹ نے جو منوسمرتی پر بھاشں کیا ہے۔ اسپارہ میں سر ولیم جونس صاحب فرماتے ہیں۔ کہ بھاشں اگرچہ مختصر ہے۔ مگر نہایت ہی اعلےٰ قسم کا عالمانہ۔ سادہ اور پُرمعنی ہے۔ نہایت ہی گہرا اور پسندیدہ۔ آج تک یُورپ یا ایشیا کے زمانہ حال یا زمانہ قدیم کے کسی مُورخ نے ایسی کتاب نہیں لکھی۔

اس سے بڑھ کر ہم نہیں سمجھ سکتے کہ ہمیں اور زیادہ ثبوت کی کیا ضرورت ہے۔ آہ! وہ ہندو جنگی تہذیب اور شائستگی پر آج مخول اُڑائے جا رہے ہیں۔ اُسی زبردست دماغی قابلیت کے مالک تھے۔ کہ جس کی آج تمام بے تعصب اور عالم مُلکی و غیر مُلکی مُصنّف تعریف کرتے نہیں تھکتے۔ جس قوم میں منو سا مقنّن ہو گذرا ہو۔ اُسکی انتظامی قابلیت اور اُسکے آئین و ضوابط پر کوئی حرف رکھنا اگر محض حماقت نہیں تو کیا ہے

جن انتظامی مسئلوں کو آج تمام یورپ اور امریکہ کے دماغ حل نہیں کر سکے۔ جن انتظامی برائیوں کے لئے آج سوشلسٹ لوگ پیدا ہوکر سوسائیٹی کے موجودہ انتظام کو درہم برہم کر دینا چاہتے ہیں۔ اور جن الجھنوں کو آج مغربی اقوام کے بڑے سے بڑے مدبرین کے دماغ بھی سلجھا نہیں سکے۔ اسے آریہ ہندو آج سے لکھوکھا برس پہلے حل کر چکے تھے۔ مگر یہ بھی خدا کی شان ہے کہ وہ قوم تنزل کی تاریک غار میں اس طرح گری ہے۔ کہ اُسے خود اپنی قدیم عظمت وشوکت اور قابلیت ولیاقت پر بھی شبہ ہو رہا ہے۔

قدیم زمانہ سے ہندوستان میں مساوات کا رواج چلا آتا ہے۔ اس وقت تمام طاقتوں کو ایک ہی پلڑے میں رکھا جاتا تھا۔ کسی صیغہ کا دوسرے صیغہ سے کچھ واسطہ نہ تھا۔ لیکن آہ ہماری اپنی خانہ جنگیوں کے باعث ہندو قوم کی وہ مضبوط بنیاد جو نہایت ہی مستحکم چٹان پر قایم تھی۔ اور جس کے باعث آج تک بھی کم از کم اس کا نام ونشان باقی ہے۔ ڈھیلی پڑ گئی۔ اور مہابھارت کے جنگ اور اس کے بعد تھانیسر کی دوسری لڑائی کے ساتھ ہی ہندوں کی قدیم عظمت اور شان کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اور یہی وقت ہے جس وقت سے ہندوں کے آئین وقوانین نے ایک نئی شکل اختیار کر لی۔ جسکا نتیجہ ہمارے لئے سخت تباہ کن اور خوفناک ہوا ہے۔

باب چہارم

قدیم ہندوؤں کی مجلسی حالت

جہاں ہندوؤں نے انتظام سلطنت میں اعلےٰ لیاقت اور قابلیت حاصل کی تھی۔ وہاں اُن کا قانون مجلس بھی نہایت اعلےٰ پایہ کا تھا۔ آریہ ہندوؤں نے جسقدر ساماجک طور پر ترقی کی تھی۔ وہ تاریخ عالم میں اپنی ایک ہی مثال رکھتی ہے۔ ہندوؤں کا ورن آشرم کا قانون ایسا مکمل اور افضل تھا کہ جس سے کبھی دیش میں اشانتی اور بے امنی پھیلنے کا خیال تک بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ہندوؤں نے زندگی کے ہر ایک شعبہ میں ہر ایک کام علمی اور سائنٹیفک طریقوں پر کیا ہے۔ چنانچہ آج محققانِ یورپ وامریکہ ہندوؤں کے ضابطۂ مجلسی اور انتظام سوسائٹی کا مطالعہ کرکے انگشت بدندان ہورہے ہیں۔ اُن کے گھر کے خانگی جھگڑے ...... Individualism [illegible] ۔ کا سوال بن کر جس بُری طرح سے اُن کی جان عذاب میں ڈال رہے ہیں اُنہیں اسکا علاج ہی کوئی نہیں سُوجھتا۔ اور وہ اب پھر اپنے قدیم اُستاد بھارت ورش کے قدیم لٹریچر کے محوّر کے گرد گھوم رہے ہیں۔ اور یہی ایک مرکز ہے۔ جہاں انہیں سچی شانتی اور آنند نصیب ہوسکیگا۔ کیونکہ زمانہ قدیم میں ہندو لوگ بلحاظ مجلسی حالت کے درجہ تکمیل تک پہنچ چکے تھے۔ کیونکہ ہندوؤں میں کبھی ایسا خیال نہیں تھا۔ کہ ایک حصّہ قوم کا دولت سے مالامال ہو۔ لیکن دوسرا حصّہ فاقہ کشی سے اور افلاس سے تباہ ہورہا ہو۔ جسطرح کہ آجکل کی مہذب قوموں کا میلان ہے کہ ایک حصّہ تو خزانہ سے اور زر و مال سے بھرپور ہے۔ لیکن دوسرا حصّہ گداگری

کرکے بھی روٹی نہیں کما سکتا۔

اس رواج کی بنیاد قومی خدمت تھی۔ چنانچہ ہر ایک ورن کے آدمیوں کو اپنی قابلیتوں اور طاقتوں کے نشو ونما دینے کا کافی موقع ملتا تھا۔ اور اسطرح سے ایک دوسرے کی بہبودی کے لئے ہر ایک شخص کام کرسکتا تھا۔ ہر ایک آدمی اپنی قوم کی خدمت اُس حلقہ میں کرسکتا تھا۔ جسمیں وہ کام کرنے کے قابل ہوتا تھا۔ اور جہاں وہ اپنی طاقتوں کا استعمال مفید سمجھتا تھا۔ پس یُوں ایک دانائی سے پُر مدبرانہ جماعت بندی (ورن) ہوتی تھی۔ جس سے کہ دولت کی عام طور پر تقسیم ہوا کرتی تھی۔ یہ مصیبت اور ضروریات کو دُور بھگاتی تھی۔ ذہنی اور اخلاقی ترقی کو بڑھاتی تھی۔ قومی کمالیت کو پھیلاتی تھی۔ اور اسپر طرہ یہ کہ ترقی کے ساتھ ساتھ امن و شانتی کا بھی رواج قائم کرتی تھی۔ المختصر یہ کہ ورن (ذاتوں) کی اسی قسم کی تقسیم سے نہ صرف ملکی معاملات میں امن و آرام تھا۔ بلکہ قومی کمالیت اور مجلسی خوشی کے ساتھ ایسا آنند تھا کہ اس قسم کی شانتی و امن اور کسی ملک میں نہیں پایا جاتا۔ اس قسم کے اصول کو ورن آشرم کہتے تھے۔ نسل دو بڑی قسموں میں منقسم تھے۔ یعنی آریہ اور داسُر (دسو) یعنی مہذب اور غیر مہذب۔ آریوں کی چار قسمیں تھیں۔ یعنی برہمن۔ کھشتری۔ ویش اور شودر۔ اس قسم کی تقسیم ہر ایک شائستہ ملک میں کسی نہ کسی شکل میں ضروری ہے۔ یہ قدیم آریہ ورت کا شان و جلال ہی تھا۔ کہ اس قسم کی ذاتوں کی تقسیم ایسی مکمل صورت میں موجود تھی۔ اور سائنٹیفک (علمی) اصُول پر مبنی تھی۔ یعنی جس میں دماغ۔ جسم وغیرہ سب کو پورا نشو نما مل سکتا تھا۔ عالم آدمی سپاہی ڈاکٹر۔ قانون دان۔ پُوجاری۔ تاجر پیشہ اور ملازم لوگ انگلینڈ۔ فرانس امریکہ اور زمانہ حال کے ہر ایک مہذب ملک میں پائے جاتے ہیں۔ جسطرح کہ قدیم زمانہ میں ہندوستان میں تھے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ہندوؤں میں یہ تقسیم مکمل درجہ کی تھی۔ اور اس حیرت انگیز صیغہ کا کام باقاعدہ تھا حالانکہ موجودہ صورت میں یہ تقسیم نامکمل ہے۔ اور اسکا کام بے ترتیب اور اٹکل پچو

ہے۔ ورن آشرم زمانہ حال کی ذاتوں کی تقسیم کیطرح نہیں تھا۔ بلکہ اِسکے بالکل برخلاف تھا۔ کوئی آدمی جنم سے برہمن یا شُودر نہ ہوتا تھا بلکہ ہر ایک آدمی کرم انوسار اپنے لائق درجہ (ورن) کو حاصل کر سکتا تھا۔ کرنیل اِلکاٹ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ لوگ آجکل کی طرح ذاتوں کی زنجیریں جکڑے ہوئے نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ اپنے اپنے اتم یا نیچ کرموں کے مطابق اعلےٰ یا ادنےٰ درجہ اختیار کر سکتے تھے۔ بسا اوقات برہمن کا لڑکا کھشتری یا ویش یا شُودر ہو جاتا تھا۔ ایسا ہی شُودر برہمن یا کھشتری بنجاتا تھا۔ چنانچہ شنکر دِگ وجے میں آیا ہے۔ کہ جنم سے سب لوگ شُودر ہوتے ہیں۔ لیکن کرموں سے ہی سب لوگ دوِج بنجاتے ہیں۔

مہابھارت بن پرب میں آیا ہے۔ کہ برہمن وہ ہے جو سچ بولے۔ دان کرے۔ کھشما کرے۔ اتیاچار سے پرہیز کرے۔ اور یوگ سمادھی کرے۔ شُودر شُودر کا بیٹا ہونے سے یا برہمن برہمن کا بیٹا ہونے سے نہیں ہوتا۔ چنانچہ مہابھارت شانتی پرب میں آیا ہے۔ کہ ذاتوں کا کوئی امتیاز نہیں تھا۔ پس برہما نے جو سرشٹی کی اُتپتی کی تھی۔ وہ پہلے برہمن تھی۔ مگر انسانوں کے کاموں سے مختلف اقسام میں منقسم ہو گئی۔ چنانچہ بالمیک اور وشوامتر کون تھے۔ یہ بھی شُودر تھے۔ لیکن راج رشی کہلائے۔ ہندوستان میں یونانیوں کے حملہ کرنے تک ذاتوں کا رواج ایسا نہیں بگڑا تھا۔ جس طرح کہ آجکل ہے۔ یونانی لوگ چار ذاتیں بیان کرتے ہیں۔ میگستھنز کہتا ہے۔ کہ کسی ذات کا ہندو برہمن بن سکتا ہے موروثی (یعنی جنم) کے ذات کا رواج ڈالنے والوں نے یہ مُدعا مدِنظر رکھا تھا۔ کہ ہر ایک جماعت اعلےٰ درجہ کی اپنی بزرگی کو قائم رکھے لیکن آجکل یُورپ اور امریکہ کے مہذب ملکوں میں بھی موروثی (یعنی خاندانی) قابلیت کا مضمون قابل اعتراض سمجھا جاتا ہے۔ فی الحقیقت منُو کے زمانہ کا آریہ ورت اُس اعلےٰ درجہ کے معراج پر پہنچا ہوا تھا۔ جسکی کرنیں زمانہ حال کے یُوروپین تہذیب پر پڑ رہی ہیں۔ بلکہ موجودہ صورت میں

یہ رواج ایک سخت قباحت ثابت ہوا ہے۔ ہندو سوسائٹی کے انتظام میں یہ اصول ایک جگہ پر جم گیا ہے۔ حالانکہ پرانے زمانہ میں انسان ورثہ کے لحاظ سے ترقی کر سکتا تھا۔

چنانچہ ہندوؤں کے ورن آشرم کا یہ خاصہ ہے جسنے اس قوم کو ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے بچائے رکھا ہے۔ اگرچہ پچھلے ہزاروں برسوں میں اس پر سخت انقلاب اور حملے ہوئے۔ اور مذہبی حوادث اور زلزلے ملک پر نازل ہوئے سر شہری کاٹن کہتا ہے۔ کہ ذاتوں کا رواج جو تمام قسم کی ذکالیف سے بچنے کا وسیلہ ہے۔ اور ہندو سوسائٹی میں عام طور پر پایا جاتا ہے جو زمانہ سلف میں بہت مفید ثابت ہوا ہے۔ اور اب تک اس نے ہندو لوگوں کے انتظام اور اتحاد کو قائم رکھا ہوا ہے پس ورن آشرم ہندوؤں کے لئے ایک قسم کی کلب (سبھا) تجارتی اتفاق کی جماعت فائدہ پہنچانے والی اور موقعہ پر امداد کرنے والی پنچایت اور اپکار کرنے والی سبھا ہے۔

ہندوستان میں کوئی غریب خانے نہیں ہیں۔ اور نہ ہی ان کی ضرورت ہے۔ اپنے متردوں اور برادری کے آدمیوں کو مصیبت کے وقت امداد کرنا ہر جگہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ خاندانوں کے نظام کو مضبوط کرنے کے لئے یہ ایک اعلےٰ انتظام ہے۔

المختصر یہ کہ ہندوؤں کا یہ انتظام و قانونِ مجلس ایسے بلند پایہ کا ہے کہ آجتک کسی انسان کے دماغ یا خیال میں بھی نہیں آیا۔ اب بیچارے اہل مغرب و اہلِ امریکہ اپنے نظامِ سوسائٹی کی کمزوریوں اور نقصوں کو بری طرح محسوس کر رہے ہیں۔

باب پنجم

قدیم ہندؤں کے عادات و خصائل

ہندؤں کی راست گفتاری - صداقت پسندی - بلند خیالی - سادگی انصاف شعاری - آزاد خیالی - شجاعت - مردانگی - نفس کشی وغیرہ ایسی صفات ہیں - جنکا نام تمام رُوئے زمین پر آج تک مثال اور آدرش کے طور پر لیا جاتا ہے - قدیم ہندؤں کا چلن اور آچار جیسا مقدس اور پاک تھا - آج اُسکی مثال ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتی - دُنیا بھر کے تمام مورخ اور وقائع نگاروں میں سے کم از کم آج تک کسی ایک کو بھی حوصلہ نہیں ہوا کہ کھلے طور پر ہندؤں کی ان صفات پر حملہ کرے - جو سیاح ہندوستان میں آیا - ہندؤں کی صداقت پسندی اور مہمان نوازی کی اعلےٰ صفات کا مداح گیا - جس مصنف نے ہندو لٹریچر کا مطالعہ کیا یا جس محقق نے قدیم ہندؤں کی نسبت تحقیقات کی - اُسکی زبان سے بے اختیار ہندؤں کی اِن صفات کیلئے کلمہ تحسین و آفرین نکلا - یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ گورنمنٹ کا حسن انتظام رعایا کے چال چلن پر بہت کچھ منحصر ہے - زمانہ قدیم کے ہندؤں کے برابر کوئی قوم زمانہ سلف یا حال کی اعلےٰ چلن میں مقابلہ نہیں کر سکتی - آریوں کی سادگی - فیاضی طبع - دیانتداری - راست بازی - عالی حوصلگی - شرافت اور تہذیب ضرب المثل رہی ہے - فی الحقیقت ان لوگوں کے اندر اس قسم کی قابلیتیں اور جوہر تھے کہ قدرت مجسم صورتیں کھڑے ہو کر زبان حال سے پکارتی ہے - کہ درحقیقت یہ لوگ سچے معنوں میں انسان کہلانے کے مستحق تھے - انسان کے اندر سب سے اعلےٰ خوبی صداقت ہے - راست بازی سب سے اعلےٰ صفت ہے

جو انسان اپنے اندر رکھ سکتا ہے۔ زمانہ سلف سے تمام مُلکوں اور فرقوں کے لوگ ہندوؤں کی صداقت کی تعریف کرتے رہے ہیں۔

مسٹر ہیو کہتا ہے۔ کہ آریہ لوگ ایسے متدین ہیں۔ کہ نہ تو مکانات کو بند کرنے کے لئے وہ قفل رکھتے ہیں۔ نہ وہ اقرار نامہ (یا لین دین) تحریر میں لاتے ہیں۔

ایپکٹیٹس جو آرین کا شاگرد ہے۔ کہتا ہے کہ کوئی ہندوستانی کبھی جھوٹ بولتا ہوا نہیں سُنا گیا۔ اگر اس میں مبالغہ بھی ہو تو بھی یہ کوئی کم درجہ کی تعریف نہیں ہے۔

ہونن سانگ چینی سیاح کہتا ہے۔ کہ ہندوستانی لوگ اپنے چال چلن کی دیانت داری اور بیباکانہ جرأت کے لئے مشہور ہیں۔ دولت کے بارہ میں وہ کبھی ناحق کوئی چیز نہیں لیتے۔ ایسا ہی انصاف کے بارہ میں اور بیباکی کے بارہ میں ان کا حسن انتظام مشہور ہے۔

کھانگ ہنی جو سیام میں چینی ایلچی تھا۔ کہتا ہے کہ شاہ سیام فوہان کا رشتہ دار سوڈی جو ۲۱۳ء میں ہند میں گیا۔ اُسنے واپسی پر اپنے راجہ کو اطلاع دی کہ اہل ہند پرلے درجے کے صابر اور راست باز ہیں۔

اَیسا ہی جور درنسی چوتھی صدی میں ہند کے لوگوں کی بابت بتلاتا ہے کہ وہ اپنی زبان کے سچے اور انصاف میں اعلےٰ درجہ کے ممتاز ہیں۔ اسی طرح سے سنیگتی شاہ چینی کا ایلچی جنو تو ۶۰۵ء میں ہندوؤں کے چلن کے یہ اوصاف بیان کرتا ہے۔ کہ وہ حلف پر پُورا اعتبار کرتے ہیں۔ ادرلیسی جغرافیہ میں جو ۱۱۰۰ء میں طبع ہوا۔ مندرج کرتا ہے۔ کہ ہندوستان کے لوگ فطرتاً انصاف کی طرف مائل ہیں۔ اور اپنے افعال میں کبھی اس سے منحرف نہیں ہوتے۔ وہ اپنے کاروبار میں دیانت دار اور ایماندار ہیں۔ اور ان خوبیوں کے باعث ہی دوسرے ملکوں کے لوگ جوق در جوق اُنکے اِردگرد جمع ہو جاتے ہیں۔ تیرھویں صدی میں شمس الدین ابو عبداللہ

کی حسب ذیل رائے ہے۔ کہ اہل ہند۔ دھوکے اور سختی سے بالکل مبرا ہیں وہ نہ تو موت سے ڈرتے ہیں۔ نہ زندگی کی پروا کرتے ہیں۔

مارکو پولو سیاح جس نے تیرھویں صدی میں سیاحت کی کہتا ہے۔ کہ یہ برہمن دُنیا بھر میں سب سے اعلےٰ سوداگر ہیں۔ وہ ایسے راستباز ہیں۔ کہ دنیا کے کسی لالچ یا ترغیب سے جھوٹ نہیں بولتے۔

کمال الدین عبدالرزاق سمرقندی سنہ ۱۴۱۳ء سے سنہ ۱۴۸۲ء تک) جو راجہ ودیا نتر اور کالی کٹ کے پاس خاقان کیطرف سے ایلچی مقرر ہو کر آیا تھا۔ بیان کرتا ہے کہ اس ملک میں تاجر لوگ ہر طرح محفوظ اور مامون ہیں۔

سر جان میلکم کہتا ہے۔ کہ وہ اپنی راستباری کے لئے ایسے مشہور ہیں۔ جیسے اپنی جرأت اور عالی حوصلگی کے لئے۔

ایسا ہی کرنیل سلیمن جو دیگر یورپی لوگوں کی نسبت ہندوؤں کی خصائل کا زیادہ واقف ہے۔ یقین دلاتا ہے۔ کہ ایک ہی گاؤں کے لوگ باہمی جھوٹ نہیں بولتے۔ وہ کہتا ہے میں نے سینکڑوں ایسے واقعات دیکھے کہ انسان کی جان و مال و آزادی خطرہ میں تھی۔ لیکن اُسکو بچانے کے لئے انہوں نے جھوٹ نہیں بولا۔

رامائن ہندوؤں کی ایک اعلےٰ مستند کتاب ہے۔ اسکا سار اُلّب لباب یہی ہے۔ کہ خواہ جان بھی چلی جاوے لیکن صداقت اور دعوے پر قائم رہو۔ ایسا ہی مہابھارت میں بھیشم پتامہ کی نسبت ایک اعلےٰ آدرش موجود ہے۔ کہ خواہ کچھ ہی ہو۔ لیکن صداقت اور دھرم کو کبھی نہ چھوڑو۔

چنانچہ پروفیسر میکس مُولر بھی کہتا ہے۔ کہ یہ راست بازی کا پریم ہی تھا۔ جسنے باہر سے تمام آنے والوں کو ہندوؤں کی اعلےٰ خصلت کا گرویدہ کر لیا۔ جو راست بازی ہندوؤں کا قومی وصف سمجھتے تھے۔ کذب البیانی کا الزام ان پر کوئی نہیں لگاتا تھا۔ یہ رائے نہ صرف زمانہ سلف کے سیاحوں کی تھی بلکہ زمانہ حال کے لوگ بھی انکی صداقت کے مداح ہیں

اہل ہند محض صداقت کے لئے ہی مشہور نہیں رہے۔ بلکہ اُن کی

فیاضی طبع تحمل - ذہانت - شرافت - وفاداری - تہذیب - محنت - شجاعت عزت اور آزادی طبع اب تک مشہور بلکہ ضرب المثل ہیں -

میگستھینیز نے جب ہندوستان میں غلامی کا نام و نشان نہ پایا اور یہاں کی عورتوں کی عصمت اور مردوں کی عالی ہمتی کو دیکھا - تو وہ دنگ رہ گیا - بلکہ تمام ایشیائی ملکوں سے زیادہ شجاع - متقی اور محنتی - عمدہ کسان - ہنرمند کاریگر اپنے راجاؤں کے ماتحت امن او آرام سے زندگی بسر کرنے والے پایا - چنانچہ ابوالفضل صاحب کہتے ہیں - کہ ہندو لوگ دھرماتما - ملنسار - خلیق - خوشباش انصاف پسند - علم دوست - کاروبار میں لائق - شکرگذار - راستی پسند اور اپنے تمام کاروبار میں پرلے درجہ کے ایماندار ہیں -

کرنیل ڈکسن بھی اہل ہند کی صداقت - تہور - ایمانداری - دیانتداری وفاداری اور غائت درجہ کی خدمت گذاری کا قائل اور مداح ہے -

سر ولیم مونیر کہتا ہے - کہ ہند کے لوگ کبھی خوشی سے زندگی تباہ نہیں کرتے - یعنی کسی کو نہیں مارتے - نہ ہی وہ خوشگوار دن شکار کے لئے باہر دوڑتے ہیں - وہ اپنے سے ادنےٰ مخلوق کے لئے یہ اصول رکھتے ہیں - کہ زندہ رہو اور زندہ رہنے دو -

مسٹر الفنسٹن صاحب فرماتے ہیں - کہ دیہاتی لوگ بے ضرر اور ہر دلعزیز ہیں - اپنے بال بچوں سے بڑا پیار کرتے ہیں - اپنے ہمسایوں پر مہربان ہیں - اور تمام لوگوں کے ساتھ دیانتدار اور صادق ہیں -

۱۸۱۳ء میں پارلیمنٹ کے روبرو شہادت دیتے وقت مسٹر ہرسر نے کہا کہ ہندو لوگ نرم مزاج اور مہذب ہیں - اپنے خانگی معاملات میں مہربان ہیں -

کپتان سڈن ہام فرماتے ہیں - کہ ہندوؤں کی عام خصلت بے ضرر - پرہیزگار - تابعدار - تربیت پذیر - محبت اور وفاداری کے قابل - تیز طبع ذہین چالاک عام طور پر دیانتدار - سخاوت کرنے والے - فیاض ورایسے صاف دل اور نیک خو ہیں - کہ دنیا میں کوئی اور قوم ویسی نہیں دیکھی گئی +

پروفیسر میکس مُولر صاحب فرماتے ہیں۔ گذشتہ بیس سال کے عرصہ میں مجھے چند ہندوستان کے نوجوانوں سے ملنے کا اتفاق ہُوا۔ جبکہ وہ ایسے حالات میں تھے۔ جہاں کہ انسان کی اصلی خصلت سہولیت سے معلوم ہو سکتی ہے یعنی تعلیمی مشاغل اور تعلیمی کام۔ مینے انہیں یورپ کے فاضلوں کے ساتھ بحث مباحثہ کرتے دیکھا ہے۔ کہ وہ راست بازی کی بڑی قدر کرتے ہیں۔ اور یورپ و امریکہ کے لوگوں سے زیادہ فیاضی طبع اور انسانیت کا اعتبار کرتے ہیں۔ انکے اندر جرأت پائی جاتی ہے۔ لیکن سختی بہت کم ہے۔ جب کبھی وہ غلطی پر ہوتے ہیں۔ فوراً اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ جب وہ دُرستی پر ہوں تو اپنے یورپین مخالفوں پر کبھی مضحکہ نہیں اڑاتے۔ اس طرفسے کبھی ضد۔ ہٹ۔ غلط بیانی یا بیجا تکرار نظر نہیں آیا۔ نہ ہی کبھی ان عالموں کیطرح کوتہ ہتیاروں پر اُترے ہیں۔ جو جان بُوجھ کر غلط اور ضمیر کے برخلاف حالات شایع کر دیتے ہیں۔ اور فتح یا تعریف کی پروا کرتے ہُوئے صداقت وغیرہ کا لحاظ نہیں کرتے۔ مجھے بارہا انگریزی سوداگروں نے بیان کیا ہے۔ کہ دیگر ملکوں کی نسبت تجارتی پہلو سے ہندوستان کے لوگ زیادہ عزت کے مستحق ہیں۔ وہ بل یا ہُنڈی کا روپیہ ادا نہ کرنا کم جانتے ہیں۔

پروفیسر مونیر ولیم صاحب فرماتے ہیں۔ کہ مَیں نے یُورپ میں کوئی قوم ایسی نہیں دیکھی جو اہل ہند سے زیادہ دھرماتما اور اپنے عام فرائض کے سرانجام دینے میں زیادہ صابر اور مستقل مزاج ہو۔ انفنسٹن صاحب فرماتے ہیں۔ اگر ہم اہل ہند کا انگلینڈ سے مقابلہ کریں۔ تو دوسری بدیوں میں شراب خوری اور بے شرمی کی کمی جو اہل ہند میں پائی جاتی ہے۔ وہ انہیں اخلاق میں ہمسے زیادہ بلند پایہ کا بناتی ہے۔ الغرض وہ کہتا ہے۔ کہ ہندوُں میں کوئی فرقہ لوگوں کا ایسا کمینہ اور رذیل بلحاظ اخلاق نہیں ہے جس طرح ہمارے بڑے بڑے شہروں میں اعلا درجہ کے گرے ہُوئے کمینہ لوگ ملتے ہیں۔ ہندوُں کی صفائی ضرب المثل ہے۔ وہ بہت صفائی پسند قوم ہے۔ اور یورپ کی جنوبی اقوام کے ساتھ جسمانی اور عادات کی صفائی میں مقابلہ کرسکتی ہے۔

اِن کی کئی ایسی اعلےٰ عادات ہیں۔ جو اگر شمالی یُورپ کے لوگ اختیار کر لیں تو بہت فایدہ اُٹھا سکتے ہیں۔

الفنسٹن صاحب ہندو چلن کے بارہ میں بہت شاندار الفاظ میں لکھتے ہیں۔ جب مصیبت سر پر آوے تو ہندو نہایت ہی صبر اور بُردباری سے برداشت کرتا ہے۔ جو یُورپ میں سخت حیرت پیدا کرتی ہے۔ کم مہذب قوم کی کم ہمدردانہ حکومت سے ضرور ہے۔ کہ لوگوں کی قومی خصلت کو نقصان پہنچے فاضل بیتھم کہتا ہے کہ غُلام کا سب سے بہتر بچاؤ جھوٹ بولنا ہے۔ اس لئے کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ اہل اسلام کی حکومت کے نیچے ہندوؤں کی قومی خصلت نے سخت نقصان اُٹھایا ہو۔ باایں ہمہ تعجب ہے کہ ابتک انکی خصلت بہت اعلےٰ ہے۔ پروفیسر میکس مولر صاحب فرماتے ہیں۔ میں صرف اتنا کہہ سکتا ہُوں۔ کہ اہل اسلام کی حکومت کے سخت جبر اور ظلموں کے حالات پڑھنے کے بعد مجھے تعجب ہوتا ہے۔ کہ اب تک ہندوؤں کے اندر صداقت اور دیگر نیکیاں کسطرح قائم رہ گئی ہیں۔ جب آپ اُن جور و جفاؤں کا حال پڑھیں جو ہندوستان کے مسلمان فاتحوں نے ۱۰۰۰ء سے لیکر اہل انگلینڈ کے یہاں داخل ہونے کے وقت تک کئے ہیں۔ تو مجھے سخت تعجب آتا ہے۔ کہ کس طرح کوئی قوم بحیثیت اپنی خوبیوں کو قائم رکھ سکتی ہے۔

ہم مناسب نہیں سمجھتے کہ ہندؤں کی اعلےٰ خصائل و صفات کے لئے اس سے زیادہ شہادتیں پیش کر کے خواہ مخواہ اِس کتاب کو ضخیم بنا دیں جب ہندو قوم ہزارہا سال ظلموں اور سختیوں کو برداشت کر کے آج تک اپنی صداقت شعاری اور دیگر اعلےٰ صفات کے لئے اپنے مخالف سے مخالف کی زبان تک سے بھی تعریفی الفاظ سُنتی ہے۔ تو آسانی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ کہ قدیم ہندوؤں کا کریکٹر کس زبردست بنیاد پر قائم ہوگا۔ جسے آج تک اسقدر حوادث اور انقلابات زمانہ بھی اپنی اصل بنیاد سے نہیں ہلا سکے +

باب ششم

قدیم ہندوؤں کی دیش بھگتی

بعض یوُروپین مورخ یہاں تک دیدہ دلیر ہیں۔ کہ وہ ہندوؤں پر غیر مُحب الوطن ہونے کا الزام لگاتے ہیں۔ یہ زمانہ بھی آنا تھا۔ کہ ہندوؤں کی نسبت ہی یہ کہا جانے لگے کہ ہندوؤں نے دیش بھگتی اور حُب الوطنی کا نام تک نہیں سُنا۔ جب کہ یہ امر واقعہ ہے کہ دیش بھگتی اور حُب الوطنی کی اس سے درخشاں مثال دُنیا کی کسی دُوسری قوم میں ملنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے جیسی کہ ہندوؤں نے زمانہ قدیم میں قائم کی۔

یوُروپین مصنفین کہتے ہیں۔" ہندوؤں میں حُب الوطنی اور دیش بھگتی نام کو نہیں۔ البتہ انہوں نے مذہب کے لئے بسا اوقات قربانیاں کی ہیں۔ اور اپنے آپ کو مذہب کی خاطر خطرے میں ڈالا ہے۔ جس سے ہم اُن کو ایک مذہبی دیوانے کا خطاب تو دے سکتے ہیں۔ مگر مُحب الوطنی کا نہیں۔ کیونکہ انہوں نے اپنے مُلک اور وطن کے لئے کبھی کسی قسم کی کوئی قربانی نہیں کی"۔

افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ابھی ان مورخین نے ہندوؤں کے مذہب کو سمجھا تک نہیں۔ ہندوؤں کی مذہبی فلاسفی کو سمجھنا ایک معمولی دماغ کا کام نہیں ہوسکتا۔ ہندو فلاسفی ایسی باریک اور گوڑھ ہے۔ کہ اس پر بغیر سمجھے فوراً رائے زنی کو دُنیا اپنی رائے کی وقعت کو کھونا ہے۔ ہندوؤں کی تاریخ سے صاف عیاں ہے۔ اور اسکے لئے بے شمار شہادتیں ہیں۔ کہ قدیم ہندو دیش بھگتی اور ایثار نفسی کا نمونہ تھے۔ ہندوؤں کے مذہب کی بنیاد ہی ایثار نفسی اور حُب الوطنی پر ہے۔ اور بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ یوُروپین اقوام کی حُب الوطنی اور جاتی ہت کا اگر کوئی منبع یا مخزن ہے تو وہ یہی آریہ ورت

ہے۔ جس پر ہندوؤں کو بجا طور پر فخر اور ناز ہے۔ بھارت باسیوں کا مدت سے یہ خیال رہا ہے کہ ہر ایک مہذب انسان کے لئے دیش بھگتی ایک سبھاوک گن ہے۔ اور فطرتی جذبہ۔ ہندوؤں کے گیت میں ماتری بھومی کا ہمیشہ سے راگ گایا جاتا رہا ہے۔ یہ خیال لوگوں کے دل میں اسقدر گہرا جم گیا تھا۔ کہ جب زوال کے دنوں میں پولٹیکل دور اندیشی ہندوؤں کے دماغ میں کمزور ہو گئی۔ تو انہوں نے یہاں تک قاعدہ بنا دیا کہ اس پوتر بھومی کی حدود سے باہر کوئی آدمی نہ جانے پائے۔ کیونکہ سورگ میں جانے کے لئے اپنے دیش میں مرنا نہایت ضروری ہے۔ راجپوتوں یا ہند کی دیگر جنگجو قوموں کا اب تک یہی خیال رہا ہے۔ کہ اپنے ملک کی خاطر تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے مرنا اندرلوک کی پراپتی کا ذریعہ ہے۔ کرنیل ٹاڈ کہتا ہے۔ راجپوتوں کے دل میں اپنے دیش کا نام جادو کا اثر پیدا کرتا ہے۔ وہ اپنے ملک کا نام کبھی بغیر عزت کے نہیں لیتے۔ آپ زمانہ وسطی یا حال کی تاریخ یونان۔ روم اور یوروپ کی پڑتال کر جائیں مگر ٹھاکر درگا داس راٹھور اور رانا پرتاب جیسی دیش بھگتی کی مثال آپ کو کہیں نہیں ملیگی۔ ان دونوں سچے سُورما بیر دیش بھگتوں کے اندر اپنے دیش کی عزت کا خیال کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ دنیا کی کوئی طاقت اُنہیں اپنے دیش کے پیار سے علیحدہ نہیں کر سکتی تھی۔ پرتاپ اپنے مٹھی بھر راجپوتوں کے ساتھ تن تنہا اپنے دیش کی خاطر اکبر کی لاانتہا فوج کے مقابلہ میں جنگ کرتا رہا۔ اور پچیس سال تک برابر جد و جہد کو قایم رکھکر۔ حُب الوطنی اور شجاعت کی تاریخ میں ہمیشہ کے لئے اپنا نام زندہ جاوید چھوڑ گیا۔ کرنل ٹاڈ یہاں بڑے تعجب مگر زور کیسا تھ لکھتے ہیں۔ بتلایئے پرتاب کو اسقدر مصائب اور جانکاہی کے عوض کیا ملا کیا اُسکو کوئی سلطنت ملی یا خزانہ۔ نہیں نہیں اسکو ایک چیز ملی۔ اور وہ "سچے دیش رکھشک" کا خطاب تھا۔ دُنیاوی طور پر اُسکو کسقدر تکالیف اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ اُسکے رشتہ دار اور لواحقین تباہ ہو گئے۔ اُسکے بیوی اور بچوں نے کبھی ایک منٹ چین سے نہ کاٹا۔ اُسکو خود کبھی

ایک منٹ امن اور چین نصیب نہ ہوا۔ اُسکے رہنے کو جنگلوں کی جھاڑیاں اور کھانے
کو جَو کی روٹی تھی۔ لیکن اِن رُکاوٹوں اور تکالیف کے باوجود کیا ایک منٹ کے لئے
بھی اُس کی پیشانی پر شکن آئی۔ اُسنے ایک لمحہ کے لئے بھی کبھی دیش کے پید
کو چھوڑنے کا خیال کیا۔ ان تمام مصائب کے باوجود اُسکے دل میں ایک
اپنے راجپُوت کا شریفانہ حوصلہ موجود تھا۔ اُس نے چتوڑ کی آزادی کو
قائم رکھنے کا پرن کیا۔ تاکہ اپنے دیش اور خاندان کی عزت کو قائم رکھ سکے
مغل بادشاہ اکبر نے پرتاب کے برخلاف ہر ایک اوچھے ہتھیار کو استعمال
کیا۔ اُس نے اُسکے رشتہ داروں کو دُنیاوی لالچ سے قابو کر کے اُسکے
مخالف مقابلہ پر کھڑا کیا۔ چنانچہ مارواڑ۔ امبر۔ بیکانیر۔ اور بُوندی کے راجے جو
اُس کے زبردست ہمراہی تھے۔ اکبر کے ساتھ جا ملے۔ یہانتک کہ اُسکے
بھائی سگراجی نے بھی اُسے اِس بیکسی اور بے بسی کی حالت میں چھوڑ دیا۔
لیکن کیا مجال جو اسقدر حوصلہ شکن واقعات کے باوجود بھی دیش ویر پرتاب
کی عالی حوصلگی اور استقلال میں ذرا بھر بھی فرق آیا ہو۔ اُسنے بڑے زور سے
پرتگیا کی کہ میں اپنی ماتر بھُومی کی لاج رکھوں گا۔ اور کبھی راجپُوتی آن پر بٹہ
نہیں لگنے دوں گا۔ چنانچہ اُس نے اپنے قول و فعل کو یکساں کر دکھایا۔ اور
برابر ۲۵ سال تک تن تنہا اتنی بڑی سلطنت کی متفقّہ کوششوں
کا مقابلہ کیا۔ وہ کبھی میدانوں کے اندر شیر کی طرح گرجتا تھا۔ اور کبھی ایک
پہاڑ سے دُوسرے پہاڑ کو عبور کرتا چلا جاتا تھا۔ اُسکے بال بچوّں کو شاہی
کھانوں کی بجائے جنگلی پھل پھُول بھی مشکل سے نصیب ہوتے تھے۔ آہ! شیر خوار
امر جسکی پرورش راج محلوں کے سنہری پلنگوں پر ہوتی تھی۔ اور جسکو راجپوت
راج کمُاروں میں کھیلتے ہُوئے تربیت حاصل کرنی تھی۔ آج اُس راج کمار
کے لئے جنگلی پھُوس کا بستر ہے۔ اور جنگلی حیوان اُسکے ساتھی۔ آہ وہ راجکمار
جسے پرتاب قومی انتقام لینے کے لئے اپنا اکیلا جانشین سمجھتا تھا۔ اِسطرح
بے یار و مددگار خوفناک جنگلوں اور پہاڑوں میں اس طرح پرورش پا رہا تھا

اُسکے لئے یہ خیال کہ باپا رادل کا بیٹا کسی اِنسانی طاقت کے سامنے سر جھکاوے سخت ناقابل برداشت تھا۔ اُسنے کبھی اپنے جانثیہ مان اور دیش ہت کو نہیں چھوڑا۔ وہ جسقدر سخت سے سخت مصیبتیں آئیں اُن کا مقابلہ نہایت فراخ دلی سے کرتا رہا۔ اُس نے اپنے خاندان کو تاتاری بادشاہ کے ساتھ ملانے کی ذِلت کو کبھی پسند نہیں کیا۔ اروَلی پربت کی گھاٹیوں میں کوئی ایسا درّہ نہیں۔ جو پرتاب کے کسی نہ کسی کارنامے سے مقدّس نہ بنا ہو۔ کہیں اُس نے شاندار فتح حاصل کی اور کہیں اُس نے شاندار شکست کھائی۔ لیکن ہر ایک شکست کو وہ اپنی فتح کا پیش خیمہ سمجھتا رہا۔ کسی سخت سے سخت شکست پر بھی وہ دل شکستہ نہیں ہوا۔

پرتاب کی زندگی کے آخری لمحے سب سے زیادہ قابل غور اور قابل ذکر ہیں۔ پرتاب بسترِ مرگ پر پڑا ہے۔ اپنے عزیز و اقارب۔ اپنے دوست و دُشمن۔ اپنے دیش و قوم کو چھوڑ تھوڑی دیر میں وہ رخصت ہونے والا ہے۔ اسوقت بھی جبکہ موت عین قریب اور وہ حالت نزع میں ہے۔ اُس کے چہرہ کا جلال ایسا ہے۔ جس سے اُسکی عالی ہمتی۔ مُستقل مزاجی اور سچی دیش بھگتی کے آثار روشن ہیں۔ اُس نے اپنے جانشین کو اپنے سامنے بُلایا۔ اور اُسے اُسکے دھرم اور دیش کے نام پر قسم دی کہ وہ اپنے ملک کی آزادی کی خاطر دُشمنوں سے دائمی جنگ کو جاری رکھے۔ راج کُمار سر جھکا لیتا ہے۔ اور پرتاب تھوڑی دیر کے لئے بے حس و حرکت گہری سوچ میں بیٹھ جاتا ہے۔ اُسکے چہرہ کے اُتار چڑھاؤ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُس کی تمام اُمیدیں مایُوسی سے بدل گئی ہیں۔ اور اُسے یقین ہو گیا ہے۔ کہ اُسکا بیٹا اُسکی اُمیدیں بر نہیں لا سکیگا۔ اسوقت اس خیال کے آتے ہی وہ سخت مایُوس اور بے اُمید ہو جاتا ہے۔ رانا پرتاب کی زندگی کے تمام واقعات میں سے اس آخری سین کی جو اصل تصویر کرنیل ٹاڈ نے کھینچی ہے۔ وہ سخت دردناک اور رقت خیز ہے۔

مرتا ہوا اُشور بیر سخت غصہ اور رنج میں اپنے تمام سرداروں کو اپنے
پاس بُلاتا ہے - سب حاضر ہوتے ہیں۔ اور خود پرتاب نہایت بے چینی کی حالت
میں آنکھیں بند کر کے خاموش ہو جاتا ہے ۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ نہایت
بے چینی اور بے تابی کا اظہار کرتا ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُسکی روح سخت مضطرب
اور بے تاب ہے ۔ وہ جانکنی کی حالت میں تڑپنے لگتا ہے ۔ تمام سردار اپنے
آزادی کے فرشتہ کی یہ تکلیف دہ حالت دیکھ سخت بے چین ہو جاتے ہیں۔
اور نہایت گھبراہٹ میں ایک دوسرے کا مُنہ دیکھنے لگتے ہیں ۔ چند لمحہ
بعد پرتاب نے ایک تکلیف دہ چیخ مار کر ایک لمبی سرد آہ کھینچی ۔ جس سے
ظاہر ہوتا تھا ۔ کہ اُسے کوئی نہایت رنجدہ خیال اُسوقت سخت تکلیف دے
رہا ہے ۔ ایک سردار سے نہ رہا گیا ۔ اُسنے حوصلہ کر آگے بڑھ نہایت دردناک
لہجہ میں روتے ہُوئے اپنے سردار کو یُوں مخاطب کیا ۔

"میواڑ کے جانثار سپُوت ! بھارت کی آزادی کے فرشتے !! میرے سردار
ذرا دیر کے لئے آنکھیں کھولئے ۔ دیکھئے ! آپ کا جانثار سلومبر آپ کے
قدموں پر نثار ہونے کو آپ کے رُوبرو آپ کے اشارہ کا منتظر کھڑا ہے
فرمایئے تو سہی آپ کی کیوں یہ حالت ہے ۔ اور کیوں آپ کی رُوح آپ کے
مقدس جسم میں گھبرا رہی ہے "

" سُنو سُنو میرے وفادار سردار سُنو ۔ پرتاب کو دُنیا کی کوئی طاقت بیچین
نہیں کر سکتی ۔ موت کے فرشتے کا زبردست ہاتھ بھی میرے لئے کوئی بے
تابی کے سامان پیدا نہیں کر سکتا ۔ دُنیا کی کوئی سختی ۔ کوئی جبر ۔ کوئی
ظلم اور تکلیف ایسی نہیں جو میری رُوح کو بے قرار کر سکے ۔ پرتاب
جس آزادی کی دیوی کا پُجاری ہے ۔ اس کے سامنے کس کی مجال ہے
دم مار سکے ۔ وہ دیکھو موت کا فرشتہ منتظر کھڑا ہے ۔ لیکن اُس کی
مجال نہیں ۔ کہ میرے حُکم بغیر ذرا بھی چُوں چرا کر سکے ۔ لیکن آہ . . . . .
ایک خیال ہے ۔ جو مجھے چین نہیں لینے دیتا ۔ ایک خیال ہے ۔ جس

پرتاب کی حالت کو قابل رحم بنا دیا ہے - ایک خیال ہے - جو پرتاب کے سامنے موت سے بھی زیادہ ڈراؤنا - اور قیامت سے بھی زیادہ خوفناک اور زبردست ہے - پرتاب کی گردن دُنیا کی سب سے بڑی طاقت مُغل بادشاہ کے سامنے بھی نہیں جُھکی - اور ایشور کا سب سے زیادہ خوفناک پیغام اجل بھی اُسکی گردن خم نہیں کر سکیگا - مگر اُف! اس خوفناک خیال کے سامنے کہ میرے بعد میرا مُلک تُرکوں کے ہاتھ میں چلا جاوے گا ہ مجھے تاب مقابلہ نہیں رہتی - میری بےچینی بڑھ جاتی ہے - اور میری رُوح تڑپنے لگتی ہے - جب تک مجھے یہ یقین نہ ہو کہ میرے بعد میرا مُلک آزاد رہیگا - میں اسی طرح حالت نزع میں تڑپتا رہوں گا - اور میری رُوح بےچینی سے پھڑپھڑاتی رہیگی -

آہ! کیا یہ جھونپڑیاں جو میواڑ کی آزادی کے نام پر مجھے اُسکے شاندار قلعوں سے بھی زیادہ عزیز ہیں - اور جن میں ہم نے اپنے وفادار ساتھیوں کے ساتھ میواڑ کی آزادی کے لئے ۲۵ برس گذارے ہیں - شاہانہ مکانات کی نعمت کے سامنے جُھک جاویںگی - اور آپ لوگوں کے لئے عیش و عشرت کے سامان مہیا کر دیں گی - آہ کیا میواڑ کی آزادی جسکے قائم رکھنے کے لئے ہم نے اِسقدر خُون بہایا ہے - کھوئی جاویگی - اور میواڑ کی آزادی کے نام پر مٹنے والے اَے میرے سردارو! کیا تم بھی ایسی نگردہ مثال کے مرتکب ہو گے"...... یہاں بولنے والے کا گلا رُک گیا - اور ایک دم تمام جنگل میں سناٹا چھا گیا - اسکے بعد تمام سرداروں نے مل کر باپا راول کے سنگھاسن کی قسم کھا کر پرتاب کے سامنے عہد و پیمان کیا - کہ جب تک ہم میواڑ کی مکمل آزادی حاصل نہ کر لیں گے - تب تک یہاں کوئی مکان نہ بناویں گے - زمین پر سوئیں گے اور یہی جھونپڑیاں ہماری آرام گاہ ہونگی - اِسطرح دیش بھگت محب الوطن فنا فی القوم - فنا فی المُلک آزادی کے سب سے بڑے پرستش

کرنے والے پرتاب نے نہایت شانتی اور امن سے خوشی خوشی اپنے پران تیاگ دیئے۔

راٹھور قوم بھی دیگر اقوام کی طرح حُب الوطنی اور شجاعت کے لئے خاص طور پر مشہور رہی ہے۔ چنانچہ اِس قوم نے دُرگاداس جیسا بہادر مُحب الوطن پیدا کیا۔ اس قوم کے متعلق مورخ کہتا ہے "اگر آپ لوگوں نے ہندوؤں کی شجاعت۔ دلیری۔ ہتور۔ اِنکیارنفسی سچی حُب الوطنی دیکھنی ہو تو اس قوم کی تواریخ کا مطالعہ کیجیئے۔ ۱۶۷۸ء میں راٹھور قوم کا راجہ جسونت سنگھ جب کابل میں مرگیا۔ تو اجیت کے تخت پر بیٹھتے ہی تیس سال تک یہاں برابر کشمکش جاری رہی۔ اسی جنگ کے درمیان جس قدر جانثاری۔ حُب الوطنی اور سچی وفاداری کا ثبوت راٹھور قوم نے دیا۔ دُنیا کی کسی تاریخ میں نہیں ملتا۔ کوئی ایسا سردار نہ تھا۔ جو اپنے پلنگ پر مرا ہو۔ سب نے میدان جنگ میں نہایت بہادرانہ طریقہ سے جان دی۔ اور اہلِ عالم پر ثابت کر دیا کہ راجپوتوں میں وہ تمام صفات موجود ہیں۔ جو سچے مُحب الوطن اور دیش بھگتوں میں ہونی لازمی ہیں۔

جو لوگ ہندو جنگجو لوگوں کے بارہ میں کہتے ہیں۔ کہ اُنکے اندر حُب الوطنی کا مادہ نہیں ہے۔ انہیں اس ۳۰ سال کے اندر جو تواریخی واقعات گذرے ہیں۔ اُن کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ پھر وہ کسی دیگر ملک کی تواریخ سے مقابلہ کر کے بتلائیں کہ آیا اِسی قسم کے عالی ہمت لوگ کہیں مِل سکتے ہیں۔ مندرجہ بالا روایت جو سادہ پن کے باعث بالکل ٹھیک اور راست معلوم ہوتی ہے۔ کسقدر اعلےٰ درجہ کی حُب الوطنی اور نشکام (بغیر غرضانہ) وفاداری کا اظہار کرتی ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ جبکہ ذرا سا بھی اصول کو توڑنے سے ظالم بادشاہ بڑی قدر کرتے۔ اور اعلےٰ انعام واکرام دیا کرتے تھے۔ لیکن شوربیر راجپوتوں نے بڑی بڑی ترغیبوں اور لالچوں سے اپنے تئیں محفوظ رکھا۔ تواریخ عالم کے اوراق میں

ایسی مثالیں بہت شاذ و نادر ہیں۔ اور اس قوم کی خوبیوں کا اعلےٰ درجہ کا ثبوت دیتی ہیں۔ جنہوں نے طمع نفسانی اور ترغیبوں پر لات ماری۔ جانثار دُرگاداس کی مثال کیسی اعلےٰ ہے۔ جس نے راجپوتوں کی ہمت۔ وفاداری دیانتداری کی شان کو دوبالا کر دیا۔ اور مزید براں تمام مشکلات میں دوراندیشی سے کام لیتا رہا۔ یہ وہ صفات ہیں۔ کہ جب تک زمانہ قائم ہے اسکا نام تعریف کے ساتھ لیا جاوے گا۔ جو لالچ اور لبھاوٹیں کہ اسکے سامنے رکھی گئیں وہ ایسی ہیں۔ کہ جن سے بچنا ہر ایک انسان کا کام نہ تھا۔ نہ صرف زر و مال اسکے پیش کیا گیا۔ بلکہ اسکو منصب پنج ہزاری بھی پیش کیا گیا۔ جو ایسا شاہی عہدہ تھا۔ کہ اُسے ایک معمولی حیثیت کے ملازم سے اُٹھا کر راجکمار کی حیثیت اور منزلت تک پہنچا دیتا۔ درگاداس جو کچھ مُنہ مانگتا اسے مل سکتا تھا۔ لیکن وہ سچا مُحب الوطن راجپُوت تھا۔ اُسے سچی عزت کے فرائض سے کسی ترغیب اور لالچ نے منحرف نہ کیا۔ اسکے بھائی سونِنگ کے فریبانہ قتل سے اُس کی سچی شرافت میں کوئی تبدیلی نہ ہُوئی۔ چنانچہ لڑائی کے موقعہ پر جب کبھی دشمن اسکے آگے مغلوب ہُوئے اسنے انسانیت کو قائم رکھا۔ اُسکی اس شاندار روشنی نے اسکی خوبیوں کو دوبالا کر دیا۔ چنانچہ شاہزادہ اکبر اگر جنگ میں اپنے باپ کے ہاتھ لگ جاتا تو یقیناً وہ اُسے ہلاک کر دیتا مگر اس بہادر راجپوت نے ایسے وقت میں اُس کو آزاد کرنے سے نہ صرف راجپُوتی شجاعت۔ عالی ہمتی اور مردانگی کا ثبوت دیا۔ بلکہ ہمیشہ کے لئے اکبر کو اخلاقی طور پر اپنا غلام بنالیا۔ برخلاف اسکے اگر ایسا ہی موقعہ کبھی اُنکے مخالفوں کے ہاتھ آیا تو اُنھوں نے رحم یا شجاعت یا عالی حوصلگی دکھلانے کی کبھی جرأت نہیں کی۔ اسمیں شک نہیں کہ ہمارے بہادروں کا ایسا رحم ایک سخت پولٹیکل غلطی تھی۔ اور اُسنے اُن کے مستقبل پر بہت بُرا اثر ڈالا۔ مگر اُسکی جبلی بہادرانہ صفات کا یہ ایک شاندار نمونہ ہے۔

درگاداسس نے اپنا نام ہمیشہ کے لئے اپنے نیک کاموں کے ذریعہ دُنیا میں یادگار چھوڑا ہے۔ اسکا نام ابتک زبانوں پر ہے۔ اُس کے گُنوں کے گیت گائے جاتے ہیں۔ راجپُوتانہ کے تصویر خانوں میں اُس کی تصویر عام طور پر دیکھی جاتی ہے۔ جس پر بُوڑھا بہادر سفید گھوڑے پر سوار ہے۔ کرنیل ٹاڈ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ بنی نوع انسان کی تاریخ میں وفاداری اور جانثاری کی کوئی ایسی اعلےٰ تمثیل نہیں ملتی جیسے کہ راٹھور قوم کے لوگوں کی جانثاری اور حُب الوطنی کی ✦

باب ہفتم

قدیم ہندوؤں کا چکرورتی راج

قدیم ہندوؤں نے کسی وقت ہر ایک صیغہ میں ایسی ترقی کی تھی۔ اور ہر ایک کام کو ایسے کمال پر پہنچایا تھا۔ کہ جسے دیکھ کر آج تمام دُنیا کے فلاسفر۔ محقق اور سائنسدان حیران ہو رہے ہیں۔ جہاں ہندوؤں نے صیغہ جنگ میں کمال حاصل کیا تھا۔ وہاں وہ صلح کے بھی اِسقدر حامی تھے کہ ایسی صلح کُل قوم کا نشان ہمیں تواریخ دُنیا کے اوراق میں کہیں نہیں مِلتا۔ وہ امن اور شانتی کے پُتلے تھے۔ جہاں انہوں نے تمام دنیا پر اپنا چکرورتی راجیہ قائم کیا۔ وہاں اُن کی فیاض دِلی اور رحم کی بھی ایسی مثالیں ہیں۔ جنکی نظیر مِلنی مشکل ہے۔ رامچندر جی نے لنکا کو فتح کیا۔ لیکن کمال فیاض دِلی سے اُسے بھبھیشن کے حوالے کر دیا اور وہاں کے ظالم بادشاہ راون کے ہاتھوں وہاں کی رعایا کو نجات دلائی۔ اِسی طرح جب ہم ہندو قوم کا ایسا اعلےٰ قومی چال چلن اور ورن آشرم کا انتظام دیکھتے ہیں تو سخت حیران رہ جاتے ہیں۔ اُنکی اعلےٰ سماجک۔ آتمک اور چال چلن کی حالت دیکھکر فوراً خیال ہو جاتا ہے۔ کہ لوگ کس طرح باامن اپنی زندگی بسر کرتے تھے۔ وہ جانتے تھے۔ کہ جنگ کی نسبت صُلح میں زیادہ ناموری اور خوشی ہے۔ مگر ہندوؤں کے جنگی کارناموں میں بھی اعلےٰ شان و عظمت پائی جاتی ہے۔ ہندوؤں نے جو کمال فلاسفی۔ نظم۔ سائنس اور دُوسرے ہُنروں میں حاصل کیا تھا۔ ثابت کرتا ہے۔ کہ اُنہوں نے کِسقدر

شانتی اور امن کی زندگی بھی بسر کی ہے۔ غرضیکہ وہ جس طرح جنگ کے ہُنر میں باکمال تھے۔ ایسا ہی اُنکے جنگی کارنامے بھی دُنیا میں ممتاز اور مشہور ہیں۔ اُنکی تہذیب تمام دُنیا کے اندر پھیلی ہوئی تھی۔ اب بھی دُنیا کی تمام سماجک اور مجلسی سوسائیٹیوں میں اسکے آثار پائے جاتے ہیں۔ ایتریری برہمن میں آیا ہے کہ مہاراجہ سوداس نے تمام دنیا کو فتح کرلیا اور چکرورتی راجہ کہلاتا تھا۔ سب ملک اسکے ماتحت تھے۔ چنانچہ مسٹر ٹون سینڈ نے کنٹمپریری ریویو میں تحریر کرتا ہے "اگر پرشیا کے جبراً فوج بھرتی کئے جانے کا اصول ہندوستان میں بھی عائد کیا جاوے۔ تو سوائے اُس فوج کے جو خاص طور پر رکھی جاتی تھی یا حُکم کے وقت بلائی بھی جاتی تھی۔ ۲۵ لاکھ فوج ہر وقت ہندوستان کے قلعوں میں جمع رہتی تھی۔ اور آٹھ لاکھ رنگروٹ ہر سال بھرتی کئے جاتے تھے۔ اِسقدر فوج کے ساتھ نہ صرف ایشیا بلکہ تمام دُنیا مغلوب کی جاسکتی تھی۔

سرلان سچلٹن اپنی کتاب موسومہ جنگ روس وجاپان میں تحریر کرتا ہے۔ کہ شمالی ہند اور نیپال میں اسقدر کافی جنگی مصالحہ موجود ہے۔ جو یورپ کی بناوٹی اور عارضی سوسائٹی کو جڑھ سے کھوکھلا کرسکتا ہے ہندوستان کی سرحدی طاقت زمانۂ قدیم اور وسطی زمانہ میں اِس قدر مضبوط رہی ہے۔ کہ پچھلے ہزاروں برسوں میں اِس سے بڑھ کر دُنیا کی کسی دوسری طاقت کی ہمین رہی پُوروا کے پاس سمندر کے تیرہ (۱۳) جزائر تھے۔ چنانچہ زمانہ سلف میں ہندو لوگ بحری طاقت میں کمال رکھتے تھے۔ چنانچہ رام کا ایک بزرگ ساگر نامی ہُوا ہے۔ یعنی سمندر کا راجہ اسکے ساٹھ ہزار بچے ملاح کا کام کرتے تھے۔

مسٹر ہیُو تحریر کرتا ہے۔ کہ اہل مقدونیا نے ایران کا بہت بڑا حصّہ ہندوؤں کے لئے ترک کر دیا تھا۔

کرنیل ٹاڈ کہتا ہے۔ کہ جیسلمیر کے یادو لوگوں کی تاریخ میں آیا

ہے۔ کہ وکرمادتیہ سے بہت عرصہ پہلے غزنی سے سمرقند تک اُنکا راج تھا۔ مہابھارت کے بعد وہ ان علاقوں میں جاکر آباد ہُوئے۔ اور اسلام کے فروغ حاصل کرنے پر وہ سندھ کی طرف بھاگ آئے تھے۔ چنانچہ مختلف واقعات اور جغرافیہ کی تحقیقات سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ یادونسل کے لوگ وسط ایشیا میں حکومت کرتے تھے۔ چنانچہ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں ان تمام علاقوں پر ہندو دھرم کے راجے سلطنت کرتے تھے۔ اور کئی صدیوں تک بعد میں بھی ان علاقہ جات کو واپس حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کرتے رہے۔ چنانچہ بابر غزنی کے حالات میں ایک خاص واقع کا ذکر کرتا ہے۔ کہ ہندوستان کے راناؤں نے سبکتگین کا غزنی میں محاصرہ کر لیا۔ سبکتگین نے حکم دیا کہ گائے کا گوشت تالاب میں ڈالا جاوے۔ اس سے ہندو لوگ جنگ سے باز آئے۔ چنانچہ اسی حکمت عملی سے مشہور وبہی بھی مطیع کیا گیا۔ رانا میواڑ کے بزرگ باپ نے چیتوڑ میں اپنا راج قائم کرنے کے بعد وسط ہند کو چھوڑ دیا۔ اور خراسان کیطرف چلا گیا۔

اس سے ثابت ہے کہ ہندو دھرم دُور دراز علاقوں تک پھیلا ہُوا تھا۔ اور وسط ایشیا و ہندوستان کے درمیان راہ و رابطہ بلا روک ٹوک جاری تھا۔ چنانچہ بھائی کرائیکل میں ایک صفحہ پر تو لانگا لوگوں کو پٹھان درج کیا ہے۔ اور دوسرے صفحے پر راجپوت لکھا ہے۔ رائے کا خطاب بھی صاف ظاہر کرتا ہے۔ کہ وہ اسوقت تک ہندو تھے۔ بلکہ ٹاڈ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ خان کا لفظ مسلمان مذہب کا نشان نہیں ہے۔ یُونان کے مورخ جنھوں نے چشمدید واقعات کو قلمبند کیا ہے۔ وہ ہندوستان کی خوشحالی کی شہادت دیتے ہیں انہوں نے تو زوال کے دنوں میں اسکی حالت کو دیکھا۔ جو اسوقت بھی انسانی دماغ کو چکا چوندی میں ڈالتی تھی۔ ہندوستان کا راج ایک مبارک

اور اعلیٰ دار الصدر سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ یونان کے بڑے بڑے مدبر
جو بطور ایلچی کے وہاں آیا کرتے تھے۔ وہ بڑے تعریف و تحسین کے
کلمات ہند کے دربار و سلطنت کے بارہ میں تحریر کرتے ہیں۔
چنانچہ ڈیبر صاحب فرماتے ہیں۔ سلوکس نے چندر گپت کے پاس
میگستھینز کو بھیجا تھا۔ الطیاکس اور دائناسس نے ڈیماکس کو بھیجا
تھا۔ ٹالمی ثانی نے ڈیسلیس کو چندر گپت کے بیٹے امرت گپت کے
پاس روانہ کیا تھا۔ الطیاکس اعظم نے سوبھاگ سین کے ساتھ
۲۱۰ سنہ میں صلح کی۔ لیکن اسکے بعد شکست کھائی اور مارا گیا۔
ٹاڈ صاحب کہتے ہیں۔ کہ اگر اس بات کا ثبوت نہ ملتا۔ کہ الطیاکس کو
سوبھاگ سین ہندو راجہ نے اِن علاقہ جات میں آکر قتل کیا تھا تو کبھی
لوگ نہ مانتے کہ یادو لوگوں نے سیریا یا ختریا کے بادشاہوں پر حملے کئے
یا اُنہیں فتح کیا۔ یُونان کے بادشاہ سلوکس نے چندر گپت کو اپنی
لڑکی دی۔ چنانچہ اس شہزادی کے ہمراہ کئی یونانی کنیزک اور لونڈیاں
آئیں۔ جو ہندوستان کے راجاؤں کے منظور نظر ہوئیں۔ ہندوستان
کے کئی کتبوں سے پایا جاتا ہے۔ کہ یونانی لڑکیاں اُنہیں خراج میں
دی جاتی تھیں۔ اور وہ ہندو راجاؤں کی لونڈیاں اور خدمتگار کے طور
پر کام کرتی تھیں۔ چنانچہ ایران کے شہنشاہ نوشیرواں عادل نے
اپنی لڑکی کا بواہ مہارانا چتوڑ سے کیا۔ رامائن میں بھی آتا ہے۔ کہ
اجودھیا میں کئی ملکوں کے ایلچی رہا کرتے تھے۔ جسٹن کی تحریر کے بموجب
اجین (مالوہ) کا راجہ آگسٹس کے ساتھ خط و کتابت کا سلسلہ رکھتا
تھا۔ چنانچہ سیسس میں ہندوستان سے ایک ایلچی اسکے پاس آیا
تھا۔ جو ہاتھی۔ قیمتی پتھر اور موتی اپنے ہمراہ لایا۔ اسی طرح دوسرا
گروہ ایلچیوں کا ہندوستان سے شہنشاہ کلاڈیس کے پاس
پہنچا۔ چنانچہ پلاٹن اسکا مفصل ذکر اپنی کتاب میں کرتا ہے۔ کہ

چار ایلچیوں نے جو حالات سیلون کے بیان کئے وہ اپنی نیچرل ہسٹری میں قلمبند کرتا ہے۔ ایسا ہی تیسری صدی عیسوی سے پہلے دو اور گروہ ایلچیوں کے ہند سے روما میں گئے۔ ایک ٹراجن کے پاس سنہ میں دوسرا انٹونیس پائس کے پاس۔ یہ تعلقات جسٹینین کے عہد تک ۵۳۰ سنہ تک جاری رہے +

راجہ اشوک کے ایک کتبے میں ان پانچ یونانی راجاؤں کا ذکر آتا ہے۔ (۱) انطیاکس شاہ سیریا (۲) ٹالمی فلاڈلفس راجہ مصر (۳) مقدونیا کا انٹی گونس (۴) کرینی کا ماگس (۵) اپی رس کا سکندر ثانی۔ پس اس سے پایا جاتا ہے۔ کہ زمانہ سلف میں مغرب کی قوموں اور ہندوؤں کے درمیان بہت راہ و رابطہ جاری تھا۔ ان دنوں میں جبکہ ہندوستان کی عظمت اسقدر تھی کہ تمام باہر کے سیاح یہاں آکر اطاعت کیا کرتے تھے۔ اگرچہ اسکے اعلےٰ ملکی اور مجلسی معاملات کا اسقدر زور نہ رہا تھا۔ پھر بھی زوال کے دنوں میں غیر ممالک کی اقوام کے لئے ہندوستان آدرش تھا۔ جب کہ اسکے اقبال کا ستارہ سمت الراس پر تھا نہ معلوم اسکی عظمت اور شان کسقدر اعلےٰ درجہ پر پہنچی ہوگی۔ اب بھی اس کی حالت مثل ایک پرانے شاہ بلوط کے درخت کی طرح ہے جو جنگل میں کھڑا ہو۔ لیکن اسکے پتے گر چکے ہوں۔ لیکن پھر بھی وہ تمام آندھیوں کا مقابلہ کرتا ہے۔ جو اسپر نازل ہوتی ہوں۔ اور وہ اپنی شان کو قائم رکھتا ہے۔ یہ پڑھکر حیرانی ہوتی ہے۔ کہ قدیمی دنیا کے بڑے بڑے فتاحوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ہندوستان زوال کے دنوں میں بھی زبردست تھا۔ اسریا کی خوشحال سلطنت نے اُسے دھمکایا۔ جو اسوقت اقبالمند مشہور سامری امیز کے ماتحت تھا۔ اس نے ہند پر حملہ کرنے کے لئے ہر طرح سے سامان مہیا کیا۔ اور بڑی بھاری فوج جمع کی۔ تین سال متواتر ان بڑی بھاری طیاریوں میں اُسنے صرف کر دیئے۔ اسکے بعد اپنی فوجوں کو آگے روانہ کیا۔ جو بعض مصنفوں کی رائے

میں کئی لاکھ جنگجو تھے لیکن ٹسیا کے مورخین اندازہ لگاتے ہیں۔ کہ تین لا
پیادہ۔ پانچ لاکھ سوار۔ دو ہزار کشتیاں اور بہت سے مصنوعی ہاتھی اونٹ
پر لاد کر لائے تھے۔ مگر نتیجہ یہ ہؤا۔ کہ اس بھاری فوج کو شکست فاش
نصیب ہوئی۔ اور سامری امس کی ایک تہائی فوج مشکل سے واپس آ
بعض مصنفوں کا قول ہے کہ اس مہم میں وہ خود بھی ہلاک ہُوا۔ ابھی
تھوڑا عرصہ ہؤا ہے کہ یادو قوم کا راجہ گج سنگھ جسنے غزنی کی بنیاد رکھی
اُسنے تن تنہا شاہ سکندر رومی اور شاہ مریز کی مُتفقہ افواج کو شکست
فاش دے کر پسپا کر دیا۔ اسکے علاوہ ہزارہا ایسی مثالیں ہیں۔
جن سے واضح ہوتا ہے۔ کہ قدیم ہندو چکرورتی راج کرتے تھے
چنانچہ پاتال دیش امریکہ کے مقام مکسیکو اور دیگر کئی مقامات یورپ
وغیرہ سے حال ہی میں ایسے ایسے نشانات ملے ہیں۔ جن سے پایا جاتا
ہے۔ کہ ہندو کسی وقت وہاں حکمران تھے۔ مکسیکو میں تھوڑا عرصہ ہوا
ایک تلوار نمودار ہوئی تھی۔ جس پہ ارجن کا نام کندہ ہے۔ اور وہاں
زمین دوز ہند و مندر نمودار ہوئے ہیں۔ کئی یوروپین ممالک اور امریکہ
میں ہندؤں کی طرح دُسہرہ کا تیوہار منایا جاتا ہے۔ اسکے علاوہ ہمار
اپنی کتابوں سے بھی صاف ظاہر ہے۔ کہ ہمارے راجہ پاتال دیش
میں گئے۔ اور یورپ دیش میں جسے ہری دیش بھی کہتے تھے۔ اُن کا
تھا۔ پاتال دیش یعنی امریکہ کے راجہ کی لڑکی سے ارجن کا بیاہ ہونا
میں صاف لکھا ہے۔

باب ہشتم

قدیم ہندوؤں کی شجاعت و مردانگی

ہندوؤں کی مردانہ صفات پر آج بہت کچھ روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ اُن کے بہادرانہ کارنامے اور شجاعانہ صفات زبان زد خلائق ہیں۔ ہندو تواریخ کا مطالعہ کرنے والے اچھی طرح دُنیا کی اس سب سے زبردست قدیم اور عظیم قوم کی بہادری اور شجاعت کے حالات جانتے ہیں۔ جن لوگوں نے ہندوؤں کے عادات و اخلاق کا مطالعہ اُن کے ساتھ رہ کر کیا ہے۔ وہ ہی ہندوؤں کی اصلی بہادری اور اعلےٰ اخلاق کی شہادت دے سکتے ہیں۔ آج تک جسقدر غیر ممالک کے سیاح ہندوستان میں آئے۔ اور انہوں نے نیک نیتی سے ہندوؤں کی عادات و صفات کا مطالعہ کیا وہ متفق الرائے ہو کر ہندوؤں کی بے نظیر شجاعت اور مردانہ صفات کی شہادت دیتے ہیں۔

استری جاتی سے انکا سلوک کسی کو دُکھ نہ دینا۔ ہنسا نہ کرنا۔ اپنے مغلوب دُشمنوں کے ساتھ فیاضانہ سلوک۔ اپنے دُشمنوں پر غالب ہوتے ہوئے اپنی عظمت کا فائدہ نہ اُٹھانا یہ سب واقعات ثابت کرتے ہیں کہ ہندو جاتی کیسی شجاع اور عالی ہمت ہے۔ ان کی بیباکانہ بہادری غیر معمولی جرأت۔ اعلےٰ درجہ کی خود اعتباری۔ اپنے چال چلن کی صداقت اور اُنکے شاستروں کی اعلےٰ روحانی تعلیم جو آجتک کسی بنی انسان نے اور کہیں نہیں پائی۔ قدیم ہندوؤں کو روئے زمین پر نہایت ہی شجاع اور ہمدرد انسان بنا رکھا تھا۔ چنانچہ ہندو قوم کے کشتری لوگ ابھی اب تک

شجاعت کے لئے ایسے مشہور ہیں۔ کہ لفظ راجپوتی اور شجاعت اسوقت مترادف سمجھے جاتے ہیں۔ راجپوتانہ شجاعت کے لئے مشہور چلا آتا ہے۔ راجپوت جو زمانہ سلف کے کشتریوں کی اولاد ہیں۔ اب تک کشتریوں کے بعض اوصاف سے پیراستہ ہیں۔ جن میں سے اُنکا ایک مشہور وصف شجاعت ہے۔ رام۔ ارجن۔ کرن۔ کرشن۔ بھیم۔ بالی بلدیو وغیرہ بہادری کے آدرش یعنی اعلےٰ نمونہ تھے۔ لیکن نہایت قریب زمانہ میں بھی ہم دیکھتے ہیں۔ کہ میواڑ کا رانا پرتاب۔ مارواڑ کا درگا داس اور اجمیر کا پرتھوی راج ایسے اعلےٰ پایہ کے انسان تھے۔ کہ یورپ یا ایشیا کی دوسری قوموں کی تواریخ میں انکا ہمپایہ کوئی مشکل سے ملے گا۔ کسی قوم کی تواریخ میں آپکو اس قسم کی شجاعت کی تمثیل نہیں ملے گی جیسی پوگل کے سردار ساؤ جو جیسلمیر کا جاگیردار مقرر ہوا تھا۔ اور مانک راؤ کی لڑکی کرم دیوی نے ظاہر کی جو ایک لمحہ میں کنواری بیاہتا۔ اور بیوہ ہو گئی تھی۔ کرنل ٹاڈ صاحب فرماتے ہیں کہ دتیا کے راجہ کے بہادرانہ اور اعلےٰ چلن سے بڑھکر یورپ کے ملکوں کی تواریخ میں کوئی شجاعت کی مثال نہیں مل سکے گی۔ جسنے کہ عزت اور قانون کی خاطر شاندار موت کو قبول کیا ہو جبکہ مہاراجہ سیندھیا کے مرنے پر اسکی رانیوں نے دولت راؤ کے ڈر سے اسکی پناہ چاہی۔ چنانچہ ٹاڈ صاحب راجپوتوں کی شجاعت اور جانثاری کی تعریف کرتے ہوئے فخریہ کہتا ہے۔ کہ انگلینڈ کا بادشاہ (مُراد شاید رچرڈ سے ہے) آسٹریا کے قید خانہ میں کبھی اتنی دیر نہ رہتا اگر اُسکی رعایا راجپوت نسل سے ہوتی۔ پروفیسر ولسن صاحب فرماتے ہیں۔ ہندوؤں کا قانون جنگ بہادری اور انسانیت کا نمونہ ہے۔ اُنکے ہاں سخت حکم ہے۔ کہ بے ہتھیار آدمی۔ عورت بوڑھے اور مغلوب شدہ دشمن کو نہ مارا جاوے۔

ہندوؤں میں بلا لحاظ ذات پات قومیت یا عمر تمام ذاتوں میں ایک

رسم رکھشا بندھن (جسے پنجاب میں "رکھڑی" کہتے ہیں) رائج ہوئی تھی۔ جس سے کہ عورتیں اُن آدمیوں کی نہایت وفادارانہ اور مقدس طریقے سے مشکل وقت میں سہائتا کرتی تھیں۔ کہ جسے اِس رسم کے ذریعے وہ اپنا بھائی تسلیم کر لیتی تھیں۔ اگرچہ کئی حالات میں وُہ اُن کی شکل تک بھی نہیں پہچانتی تھیں۔ یہ رسم بھی اُن کی عالی ہمتی اور فراخ دِلی کا اظہار کرتی ہے۔ اِس سے بارہا ایسا ہوتا تھا کہ سخت سے سخت مقابلہ کے وقت بھی وہ استری جس نے کسی کو اپنا بھائی بنایا ہے۔ اپنے آپ کو سخت سے سخت خطرہ میں ڈال کر بھی اپنے اِس دھرم بھائی کی رکھشا کرنا اپنا فرض سمجھتی تھی۔ اس سے یہاں کی استریوں کی شجاعت اور فرض شناسی کا اظہار ہوتا ہے۔ مندرجہ ذیل واقعہ راجپُوتوں کے اخلاق حسنہ اور بہادرانہ طریقہ جنگ پر پُوری پُوری روشنی ڈالے گا۔

رانا رائے مل کا چھوٹا بھائی سورج مل تھا۔ جو تخت چتوڑ سے علیحدہ کیا جا چکا تھا۔ آخر کار اُس نے چتوڑ پر قبضہ کرنے کے خیال سے حملہ کیا۔ مقابلہ کے لئے اُس کا جوانمرد بھتیجا پرتھی راج سامنے آیا اور اُسنے آتے ہی چچا کو سخت زخمی کر دیا۔ جنگ بڑے معرکے کا ہوُا۔ دونوں طرف سے ہزارہا زخمی و مجروح ہوُئے۔ اور سینکڑوں مارے گئے۔ ابھی جنگ کا فیصلہ کچھ نہیں ہوُا تھا۔ کہ دونو طرف سے لڑنے والے تھک کر چُور ہو گئے۔ جس سے دونو لشکر میدان سے ہٹ گئے۔ یہاں مخالف چچا اور بھتیجا کی ایک حیرت انگیز ملاقات کی نسبت ٹاڈ صاحب یُوں بیان کرتے ہیں۔ "یہ ایک ایسی عجیب اور حیرانی میں ڈالنے والی ملاقات تھی کہ جسکی مثال انسانی پیدائش سے لیکر آج تک کسی دُوسری قوم میں نہ ملیگی۔ پرتھوی راج تھوڑی دیر آرام کر کے اپنے چچا کی ملاقات کیلئے اُس کے لشکر میں گیا۔ اُسکا چچا ایک چھوٹے سے خیمہ میں ایک لکڑی کے تخت پوش پر لیٹا ہوُا جراح سے اپنے زخم سِلوا رہا تھا۔ جُونہی اُس نے

اپنے بھتیجے کو آتے دیکھا فوراً اُٹھا اور بزرگانہ طریقہ سے حسب رسم و رواج تعظیم و استقبال کیا۔ گویا اس سے پہلے کوئی اہم ترین واقعہ نہیں ہوا۔ اُسکی اس حرکت سے اُسکے سارے زخموں کے ٹانکے کھل گئے۔ دونو آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ اور اُن میں حسب ذیل دلچسپ اور کبھی نہ بھولنے والی گفتگو ہوئی۔

پرتھوی راج ۔" چچا صاحب آپ کے زخموں کا اب کیا حال ہے؟"

سورج مل ۔" عزیزم جس وقت سے تمہیں دیکھ لیا سب زخم اچھے ہو گئے"۔

پرتھوی راج ۔" میں پہلے دیوان جی کو دیکھنے کی بجائے آپ کی طرف ہی دوڑا آیا ہوں۔ فرمائیے آپ کی طبیعت اب تو اچھی ہے"۔

سورج مل ۔" بیٹے میری طبیعت ہمیشہ اچھی تھی اور اچھی رہیگی"۔

پرتھوی راج ۔" چچا صاحب میں بھوکا ہوں کچھ کھا کر نہیں آیا۔ اگر کچھ تیار ہو تو منگوائیے"۔

فوراً کھانا لایا گیا۔ اور ایک ہی طشتری میں بیٹھ کر دونو نے کھانا کھایا اور چلتی دفعہ پرتھوی راج نے بڑے شوق سے پان کھایا۔ جو رخصت ہونے وقت اُسے دیا گیا تھا۔ چلتے وقت پرتھوی راج نے پوچھا "چچا صاحب ہم کل صبح تک اپنی لڑائی کا خاتمہ کر سکیں گے"۔

سورج مل ۔" بہت اچھا بیٹا کل ذرا سویرے ہی آنا"۔

دوسرے دن سویرے ہی دونو لشکر آمنے سامنے ہوئے۔ سورج مل کے سرداروں نے اسوقت طرح دینا ہی مناسب سمجھا اور وہاں سے پیچھے ہٹ کر انہوں نے ایک قسم کے جنگلی درختوں کی ایک باڑ بنالی۔ وہاں سورج مل اور اُسکا ساتھی سرنگ دیو اپنی مایوسانہ حالت پر باہم بات چیت کر رہے تھے۔ کہ گھوڑوں کے پاؤں کی آہٹ سنائی دی۔ سورج مل کے منہ سے ابھی یہ الفاظ نکلے ہی تھے۔ "میرا بھتیجا ہوگا"۔ جبکہ پرتھوراج

گھوڑے کو ایڑی دیکر اُس باڑ سے کُودا اور ایسی تیزی سے جھپٹا۔ کہ اُس کے چچا کو ایک سخت صدمہ پہنچا۔ بلکہ اُسکا کام تمام ہو جاتا اگر سورنگ دیو آکر اُسے بچا نہ لیتا۔ سُورج مل نے اپنے بھتیجے سے الگ بات چیت کرنی چاہی۔ اور اُسے کہا کہ اگر میں مارا گیا تو خیر میرے بیٹے راجپُوت ہیں۔ وُہ اپنا سہارا کوئی اور تلاش کر لیں گے۔ لیکن میرے بچے اگر تم سے مارے گئے تو چتوڑ کا کیا حال ہوگا۔ میرے نام پر یہ ایک کبھی نہ مٹنے والا سیاہ دھبہ رہے گا۔ پس میں نہیں چاہتا کہ اب یہ جنگ جاری رہے۔ چنانچہ اُسوقت چچا اور بھتیجا بغل گیر ہوئے۔ اور چتوڑ کی دائمی حفاظت کے سوال نے اِس جنگ کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا۔

رانا راج سنگھہ جو اورنگ زیب کا پکا مخالف تھا۔ اسکے بارہ میں کرنیل ٹاڈ صاحب فرماتے ہیں۔ اپنے ملک کی رکھشا کرنے میں ایسا ہنرمند جرنیل اور بہادر سپاہی ملنا سخت مشکل ہے۔ اسکی تعریف الفاظ میں ادا نہیں ہوسکتی۔ جب کبھی اُسے اپنی نسل کی کسی شریف عورت کی عزّت یا عصمت بچانے کا موقعہ پڑتا وہ ایسی شجاعت اور عالی ہمتی سے مقابلہ کرتا۔ کہ اسکی نظیر صفحہ ہستی پر نہیں مل سکتی۔

راجپُوت دُوسری قوموں کی طرح اس ضرب المثل پر کاربند نہیں ہیں کہ محبت اور جنگ میں ہر ایک بات جائز ہے۔ کرنیل ٹاڈ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ ہندو یودھا کا ایک وصف یہ ہے کہ وہ گرے ہوئے دُشمن پر رحم کرتے ہیں۔ شہاب الدین غوری کو جب تراوڑی کے میدان میں پرتھوی راج نے مغلوب کر کے گرفتار کر لیا۔ تو فوراً اُسے رہا کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہؤا۔ کہ وہ تازہ فوج کو ہمراہ لیکر اس ملک میں واپس آیا۔ اور قنوج و پٹن کے باغیوں اور ہولی رائے ہمیر کی امداد سے اُسنے دہلی کے ہندو راج کو تہ و بالا کر دیا ہندو راجاؤں کی ایسی فیاضی کی بے انتہا مثالیں موجود ہیں۔ ایساہی

اورنگ زیب کی بھی میواڑ میں جان بخشی کی گئی۔ مؤرخ اورم صاحب لکھتے ہیں۔ کہ اورنگ زیب کو اپنی زندگی کے بچے رہنے کے لئے راجپوتوں کے فیاضی کے لئے مشکور ہونا چاہیئے چنانچہ اس جنگ کا مختصر حال یوں ہے۔ اس سخت جنگ میں اورنگ زیب کی بیگم بھی ہمراہ تھی۔ اور اسکے ساتھ محافظ فوج پہاڑوں کے دوسرے حصہ میں گھری ہوئی تھی۔ اسکے جانثار ہمراہی خوف زدہ تھے۔ کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمنوں کو یا عوام الناس کو معلوم ہو جائے۔ کہ ملکہ اُنکے ہمراہ ہے۔ فوراً اطاعت قبول کر لی۔ اُسے گرفتار کر کے رانا کے پاس لے گئے جسنے کہ ہر طرح سے عزت کے ساتھ اُس کا استقبال کیا۔ اور اسکی عصمت میں ذرا بھی خلل نہ آنے دیا۔ اسی اثناء میں اورنگ زیب بھی دوروز کی بندش کے باعث بھوک سے مر گیا ہوتا۔ مگر راجہ نے اسکے واسطے راستہ صاف کر دیا۔ جونہی کہ اورنگ زیب اس خطرہ و مصیبت سے نکلا ۔۔۔ رانا نے اسکے پاس اسکی عورت کو معہ مسلح و منتخب محافظوں کے روانہ کیا۔ جنہوں نے معاوضہ میں صرف یہ درخواست کی کہ ہمارے مقدس جانور (مراد گائے) کو قتل نہ کیا جائے۔ لیکن اورنگ زیب بجائے اسکے کہ یہ درخواست منظور کرتا یا شکر گذاری کا اظہار کرتا۔ کہنے لگا۔ کہ رانا نے اس خوف کے مارے مجھ سے ایسا سلوک کیا ہے۔ کہ مَیں آئندہ اس سے انتقام نہ لوں۔ اسلئے اُسنے جنگ جاری رکھا۔ اسی طرح پر ایک دفعہ وُہ پہاڑوں میں گھر گیا تھا۔ اب عمر اور جسمانی حالت کے لحاظ سے اُسے دوسری دفعہ مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ اسکے بیٹے اعظم اور اکبر بھی پہنچ گئے۔ اُن حالات سے اسنے عزم مصمم کر لیا کہ پھر کبھی میدان کارزار میں نہیں آویگا۔ چنانچہ آپ اجمیر میں چلا گیا اور اپنے لڑکوں کو وہاں سے بیٹھا ہوا جنگ کی ہدایات کرتا رہا۔ یہاں اپنے کنبہ سمیت رہائش اختیار کی چنانچہ اسکے فوجی افسر اور چار ہزار

محافظ جسم بھی اُسکے ہمراہ تھے۔ اسنے فوج کو دو لو بٹوں میں تقسیم کر دیا۔ جو کہ اپنے اپنے علاقہ سے بیشمار تعداد میں ہمراہ لائے تھے۔ چنانچہ آخر کار کرنیل ٹاڈ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ اگر اس قسم کی کم اندیشی کی تمثلیں ہندؤں کیطرف سے عائد نہ ہوتیں تو مغلوں کا راج مدّت سے تہ و بالا ہو گیا ہوتا۔ اکبر اور جہانگیر کے عہد میں دو دفعہ رانا میواڑ کی طرف سے پولٹیکل بے اندازی کے باعث ہندؤں نے اپنی کامیابی اور برتری کا موقعہ ہاتھ سے دیا۔ اگر اودے ساگر جھیل کے قریب مان سنگھ راجہ جے پور اور رانا پرتاب کے درمیان یہ منحوس ملاقات نہ ہوتی جبکہ موخرالذکر شولاپور کی فتح کے بعد گھر کی طرف لوٹ رہا تھا۔ اکبر کبھی اپنی طاقت کو مضبوط نہ کر سکتا اور مغلیہ سلطنت کی بنیاد ہند میں نہ ڈال سکتا۔ جسے دو سَو برس کی عظیم الشان سلطنت کے بعد مرہٹوں نے تہ و بالا کر دیا۔

یونانیوں کی رائے ہے۔ کہ جسقدر اقوام سے انہیں واسطہ پڑا ہے ہندو لوگ سب سے زیادہ بہادر اور دلیر ہیں۔ چنانچہ مگدھ دیش کا ہندو راجہ ہی تھا۔ جس نے سکندر اعظم کی فوج ظفر موج کو لرزہ میں ڈالدیا تھا۔ ابوالفضل جو کہ اکبر کا وزیر تھا۔ اہل ہند کی دوسری صفات کی تعریف کرنے کے بعد انکی بہادری کے بارہ میں لکھتا ہے۔ کہ مصیبت کے وقت میں ہندؤں کا چال چلن نہایت ہی اعلےٰ اور مُستقل مزاجی کا نمونہ ہوتا ہے۔ ہندو سپاہی یعنی راجپُوت جنگ سے فرار کرنے کا نام تک نہیں جانتے۔ بلکہ جب جنگ میں کامیابی مشتبہ ہو جاتی ہے وہ گھوڑوں سے اتر آتے ہیں۔ اور اپنی زندگی کو میدان کارزار میں ختم کر دیتے ہیں۔ اور یوں اپنی بہادری و جرأت کا کافی ثبوت دیتے ہیں چنانچہ برنیر سیاح بھی کہتا ہے۔ کہ راجپُوت میدان جنگ میں جاتے ہوئے ایک دوسرے کو یوں بغلگیر ہو کر جاتے ہیں۔ گویا مرنے کے لئے ارادہ کر کے چلے ہیں۔ جیسا کہ عام مشہور ہے۔ کہ سپارٹا کے لوگ ایسے

موقعہ پر اپنے بال سنوارا کرتے تھے۔ ایسا ہی جب کوئی راجپوت مایوس ہو جاتا۔ وہ زعفرانی لباس پہنتا۔ جو علامت جنگ میں جاکر شہید ہونے کی نشانی سمجھی جاتی تھی۔

اورنگ زیب نکندا نامی سردار پر اُسکے آزادانہ جواب کی وجہ سے ناراض ہو گیا۔ اور حکم دیا کہ اسکو شیر کے سامنے ڈالدیا جاوے اور یہ بغیر ہتھیار اُسکے ساتھ مقابلہ کرے وہ بلا خوف و ڈر کے اکھاڑے میں داخل ہوا۔ چنانچہ شیر ٹہل رہا تھا۔ اُسنے نفرت سے کہا ارے میاں شیر آؤ۔ جسونت کے شیر کا سامنا کرو۔ چنانچہ اُسنے جنگل کے راجہ (مراد شیر) کو اپنی سُرخ اور تند آنکھیں دکھلائیں۔ جو غصہ اور افیون کے باعث شیر کی آنکھوں سے کم نہ تھیں۔ شیر نے ایسے بیباکانہ آدمی کو دیکھا۔ ایک لمحہ بھر غور سے دیکھتا رہا۔ آخر کار اپنا سر جھکایا اور ادھر اُدھر گھوم کر پرے ہٹ گیا۔ راٹھور نے چلا کر کہا کہ دیکھو شیر بھی میرا مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں کرتا۔ یہ راجپوتی اصول کے برخلاف ہے۔ کہ دشمن حملہ کرنا نہ چاہے تو ..... اسپر پہلے وار کیا جاوے یہ دیکھکر ظالم بادشاہ بھی دنگ رہ گیا۔ یہ واقعہ ظاہر کرتا ہے کہ کبھی راجپوت اور ڈر یہ دو متضاد چیزیں تھیں۔

الغرض کہاں تک ہم راجپوتوں کے بہادرانہ اور شجاعت کے کارناموں کا ذکر کرتے جاویں۔ پرتاب۔ درگاداس۔ جسونت ہمیر۔ راج سنگھ۔ مون۔ پرتھی راج۔ سیوا جی۔ اور سینکڑوں ایسے شور بیر ہوئے ہیں جنکا جواب کہیں آپ کو نہیں ملے گا۔ دوسرے لوگ ہمیں بتلاتے ہیں۔ کہ انہوں نے کتنے معرکے مارے۔ کتنی سلطنتیں غارت کیں اور کتنے بادشاہوں کو تباہ کیا۔ لیکن جسطرح کہ راجپوت تلوار کے دھنی مرد میدان تھے۔ ویسے ہی وہ قوی ہیکل تنومند اور شہزور بھی تھے۔ چنانچہ سونگ دیو بڑا قوی ہیکل جوانمرد

تھا۔ اُسنے خراساں کے بادشاہ کی لوہے کی کمان جو اُس نے دہلی کے بادشاہ کے پاس بھیجی تھی۔ زور سے کھینچ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دی۔ جبکہ دہلی میں کوئی اور ایسی جرأت نہ کر سکتا تھا۔

بہادر سمر سنگھ نے اپنی جان کو قربان کر دیا۔ اسکے راجکماروں کا خون دیش کی عزت۔ دھرم اور آزادی کو قائم رکھنے کے لئے بھارت ورش کی بہت ندیوں میں یہ رہا ہے۔

چونکہ قدیم اہل ہنڈ دنیا میں سب سے بہادر قوم ہوگزرے ہیں اسلیئے انہوں نے دنیا کو بڑے بہادر شور بیر آدمی بھی دیئے۔ ہرکیولیز دنیا میں سب سے بہادر اور دلیر شہزور پہلوان تسلیم کیا گیا ہے۔

ہرکیولیز درحقیقت ہندو تھا نہ کہ یونانی یہ بلرام کا دوسرا نام تھا۔ چونکہ ان لوگوں کو بناوٹی معلوم ہوگا۔ جنہوں نے ملکوں کے فسانہ جات کا مطالعہ نہیں کیا۔ لیکن جنہوں نے مختلف ملکوں کے اتہاس کا مطالعہ کیا ہے۔ اُنکے لئے یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ یہ لفظ سنسکرت زبان کا ہے۔ (ہری۔ کُل۔ ایس) مہابھارت کے بعد بلرام یُونان کیطرف چلا گیا۔ اسکی اعلےٰ شجاعت اور بہادری کے باعث یُونان کے لوگ اسکی دیوتا کی مانند پُوجا کرنے لگ گئے۔ پروفیسر ہیرن صاحب کہتے ہیں۔ ہمیں ذرا بھی شک نہیں کہ بیکّس اور ہرکیولیز دو نو ہندو دیوتا تھے۔ کیونکہ وہ نہ صرف عام پرستش کی اشیا کو ظاہر کرتے تھے۔ بلکہ خاص ممالک اور مقامات بھی ظاہر کرتے ہیں۔ جہاں کہ انکے مندر پوجا کیلئے بنے ہوئے ہیں۔ ڈایوڈورس کہتا ہے۔ کہ ہرکیولیز ہندوؤں میں پیدا ہوا تھا۔ جس جنگ کا ڈایوڈورس اشارہ کرتا ہے۔ وہ ہرکیولیز کے اُن نشانوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ جو بارہ سال تک اپنے آبا داجداد کے علاقے سے باہر رہا تھا۔ کرنیل ٹاڈ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ کرشن اور بلدیو (بلرام) یا اپالو وہرکیولیز دونو ہری کی کُل کے سوامی ہیں۔

جس سے اہل یونان نے مرکب لفظ ہری کُل الیس (ہرکیولیز) بنا لیا۔ ممکن ہے کہ مہابھارت کے یُدھ کے بعد ایک علاقہ مغرب کیطرف چلا گیا ہو۔ ہراکل دیو کی واپسی کا زمانہ جو ایسٹریس (ایسٹری) کی اولاد سے تھا۔ وہ مہابھارت۔ سے پچاس برس بعد پایا جاتا ہے۔ بہار کی آبادی کا ذکر کرتے ہوئے پوکاک صاحب فرماتے ہیں۔ کہ مورخوں کو پیلاسس میں ابتدائی زمانہ کے لوگوں کا پتہ ملتا ہے۔ جو نہ صرف ہمالہ کے پہاڑوں سے آئے بلکہ پیلاس مگدھ یا بہار کے علاقہ سے یونان میں وارد ہوئے۔ اور اپنے سرداروں کی یادگار کو قائم رکھا اور پیلاس کے دیوتاؤں کی بنیاد قائم کی۔ بلرام یا بلدیو کرشن کا بڑا بھائی جس کے بارہ میں خیال ہے۔ کہ ہمالیہ کے پہاڑوں میں ہی رہ گیا تھا۔ وہ یونان میں جا پہنچا۔ جہاں اُسنے بڑی شہرت حاصل کی۔ کرشن کی موت ایک ایسی جگہ میں جا کر ہوئی۔ جو اُسکے اپنے ملک سے بہت دور تھی:۔

DEEBACHA
G. K. U.